وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ

سلسلہ نمبر 21
اکتوبر تا دسمبر
2018

فہرست مضامین

المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر
AL-Madina Islamic Research Center
مسجد سعد بن ابی وقاص ڈیفنس فیز 4، 11 کمرشل اسٹریٹ
نزد شار شہید پارک و گذری پولیس اسٹیشن کراچی

Ph:+92-21-35896959
Mob 03322135693
WEBSITE:
WWW.ISLAMFORT.COM
E-MAIL:
albayanmirc@gmail.com

مولانا امین احسن اصلاحی اپنے حدیثی و تفسیری نظریات کی روشنی میں

(محترم حافظ صلاح الدین یوسف کا گراں قدر تحفہ)

فضیلۃ الشیخ علامہ ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ [1]

ایک عرصے سے مولانا امین احسن اصلاحی کے تفسیری اور حدیثی نظریات کے حوالے سے فکر مند تھا کہ کاش کوئی مردِ مجاہد یہ فرض کفایہ ادا کرے۔ تفسیر قرآن کے حسین پردے میں جو ''تدبر'' کی درانتی انھوں نے چلائی ہے اسے بے نقاب کرے۔ فیصل آباد میں ایم فل یا ڈاکٹریٹ کرنے والے کئی حضرات کو اسی عنوان پر کام کرنے کی ترغیب دی، مگر افسوس کسی نے اس پر توجہ نہ دی۔ ان کی پراسرار خاموشی بے سبب بھی نہیں۔

یہ قرعہ فال بالآخر فاضل اجل مفسر قرآن حضرت مولانا حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ کے حصے میں آیا جنھوں نے ''مولانا امین احسن اصلاحی اپنے حدیثی اور تفسیری نظریات کی روشنی میں'' کے عنوان سے ایک ضخیم کتاب لکھ کر اصلاحی صاحب کی استخفافِ حدیث کی ناروا روش کو طشت از بام کیا۔ صحیح احادیث کا انکار، صحیح بخاری اور موطا امام مالک پر ان کی یلغار، محدثین کرام بالخصوص امام محمد بن مسلم زہری کے بارے

[1] رئیس ادارہ علوم اثریہ، فیصل آباد

میں ان کی ہرزہ سرائی کو اُجاگر کر کے ان کے افکار و نظریات سے امت مسلمہ کو خبردار کیا اور حدیث کے بارے میں ان کا اصلی چہرہ دکھایا۔

جزاه الله أحسن الجزاء و صانه الله من كل شر وحسد حاسد، و وفقه الله لما يحب و يرضى۔

ایک عرصہ ہوا جب اصلاحی صاحب کے دروس ماہ نامہ ''تدبر'' میں شایع ہو رہے تھے اور صحیح بخاری اور مؤطا امام مالک ان کا تختۂ مشق بنی ہوئی تھیں۔ یہ ناکارہ انھیں پڑھتا تو بے ساختہ ''اناللّٰہ واناالیہ راجعون'' زبان سے نکل جاتا کہ کیا یہ وہی بزرگ ہیں جنھوں نے ''تزکیۂ نفس''، ''حقیقتِ توحید''، ''حقیقتِ تقویٰ''، ''حقیقتِ شرک'' اور ''پاکستانی عورت دوراہے پر'' جیسی تحریریں لکھی ہیں۔ اور اب یہ صحیح احادیث کی شرح کر رہے ہیں یا ان کی مرمت و مذمت کر رہے ہیں!

بلی تھیلے سے باہر

اصلاحی صاحب نے اصلاحی جذبے سے جب لکھا تو اس میں خیر کا بہت سا سامان تھا لیکن جب اپنے موضوع سے ہٹ کر بات کی تو جا بہ جا ٹھوکر کھائی۔ آخری دور میں تو وہ بالکل منکرین حدیث کا روپ دھارے ہوئے تھے اور ان کی مدح سرائی میں مبتلا تھے۔ معروف منکرِ حدیث قاری حبیب الرحمان صدیقی کاندھلوی کی بدنامِ زمانہ کتاب ''مذہبی داستانیں'' شایع ہوئی تو اس کی دوسری جلد کے مقدمے کو پڑھ کر اصلاحی صاحب نے اپنے قریبی ساتھیوں کو، جن میں علامہ جاوید غامدی صاحب بھی تھے، بلایا اور فرمایا:

''میں نے زندگی میں صرف دو آدمی اس لفظ ''علامہ'' کے مستحق دیکھے ہیں؛ ایک علامہ عباسی مرحوم اور دوسرے علامہ حبیب الرحمان صاحب۔''

یہی نہیں بلکہ کاندھلوی صاحب کی کتابوں کو گھر گھر پہنچانے کی بڑی زوردار تاکید کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا:

’’سب سن لو! اگر تم نے ان کتابوں کو جگہ جگہ پھیلانے میں کوتاہی کی تو تم اللہ کے مجرم ہوگے۔‘‘[1]

کاندھلوی صاحب نے صحیح احادیث بالخصوص صحیح بخاری اور اس کی حدیث پر جونیش زنی کی ہے، اس کی کچھ حقیقت اس ناکارہ نے ’’احادیث صحیح بخاری و مسلم کو مذہبی داستانیں بنانے کی ناکام کوشش‘‘ میں بیان کرنے کی کوشش کی ہے جو بعد میں ایک نہایت مہربان دوست مولانا حافظ عبدالرشید اظہر مرحوم کے کہنے سے ’’احادیث صحیح بخاری و مسلم میں پرویزی تشکیک کا علمی محاسبہ‘‘ کے عنوان سے شائع ہوئی۔ اس سے کاندھلوی صاحب کی ناصبیت بھی کھل کر سامنے آجاتی ہے، حیرت ہے کہ وہ اسی ناصبیت کے نتیجے میں سیدین کریمین حضرت حسنین رضی اللہ عنہما کو صحابی تسلیم نہیں کرتے۔[2]

گویا وہ منکرِ حدیث ہی نہیں ناصبی بھی تھے اور یہی پوزیشن عباسی صاحب کی تھی جن کی مدح سرائی میں اصلاحی صاحب سر دھنتے رہے ہیں۔ اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ ان کے پسندیدہ ممدوح کون ہیں اور ان کا قارورہ کن سے ملتا ہے، اس لیے یہ کہنا بے جا نہیں ہوگا۔

کند ہم جنس با ہم جنس پرواز
کبوتر با کبوتر باز با باز

محترم حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ نے اصلاحی صاحب کا صحیح احادیث کے حوالے سے اصلی چہرہ دکھایا ہے تو تمام محبینِ احادیث ان کے شکر گزار ہیں۔ حافظ صاحب نے دلائل سے ثابت کیا ہے کہ اصلاحی صاحب صحیح خبرِ واحد کیا، خبرِ متواتر کے بھی منکر ہیں اور ان کے کلام میں احادیث مبارکہ کا استخفاف، بلکہ استحقار بھی پایا جاتا ہے۔ انھوں نے دروسِ حدیث میں دو چار نہیں، بلکہ صحیحین کی تیس احادیث کا انکار کیا ہے۔ اسی طرح ’’تدبر قرآن‘‘ میں جہاں جہاں صحیح احادیث کا انکار ہے اسے بھی باحوالہ ذکر کیا ہے جن کی تعداد تقریباً سینتیس ہے۔

[1] مذہبی داستانیں: 3/ 6,7
[2] مذہبی داستانیں: 1/287، 293

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے سیدنا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن نازل فرمایا اور آپ کا یہ فرض منصبی بھی بتلایا کہ آپ ﷺ

﴿يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ﴾ (البقرة:١٢٩)

''انھیں کتاب، یعنی قرآن اور حکمت کی تعلیم دیتے ہیں۔''

اور یہ بھی کہ

﴿وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ﴾ (النحل:٤٤)

''ہم نے تم پر ذکر نازل کیا، تاکہ تم لوگوں کے لیے اس کی تشریح وتوضیح کرتے جاؤ جو ان کے لیے اتاری گئی ہے۔''

یہ توضیح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قولاً بھی کی اور عملاً بھی۔ یہی عملی توضیح ''اسوۂ حسنہ'' سے عبارت ہے، مگر بے حد حیرت کی بات ہے جسے محترم حافظ صاحب حفظہ اللہ نے اصلاحی صاحب کے خوشہ چین اور ان کے سوانح نگار جناب ڈاکٹر اختر حسین عزمی کی کتاب ''مولانا امین احسن اصلاحی؛ حیات وافکار'' کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ اصلاحی صاحب کی تفسیر تدبر قرآن جو 5844 صفحات پر مشتمل ہے اس میں صرف اسّی (80) احادیث جگہ پاسکی ہیں اور ان ذکر کردہ احادیث میں بھی تقریباً ایک چوتھائی تعداد ایسی روایات کی ہے جو بہ طور استدلال بیان نہیں ہوئیں، بلکہ مولانا نے ان کا ذکر محض ان کی تردید کے لیے کیا ہے۔[1]

گویا احادیث کی اصل تعداد ساٹھ ہے۔

یوں تفسیر ''تدبر قرآن''، جو نو جلدوں اور 5844 صفحات پر مشتمل ہے، میں یہ چند احادیث ہی بار پاسکی ہیں۔ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرآن پاک کے حوالے سے توضیح وتشریح صرف انھی ساٹھ احادیث میں بیان ہوئی ہے؟ فاعتبروا يا أولي الأبصار!

---

[1] مولانا امین احسن اصلاحی اپنے حدیثی وتفسیری نظریات کی روشنی میں، ص:338

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے بدعی فرقوں پر تبصرہ کرتے ہوئے معتزلہ کے بارے میں لکھا ہے:

«و المعتزلة تقول: لو أن المحدثين تركوا ألف حديث في الصفات والأسماء والرؤية.» (السير:10/455)

''معتزلہ کہتے ہیں کہ کاش محدثین اسماء وصفات اور جنت میں اللہ تعالیٰ کے دیدار سے متعلق ایک ہزار احادیث بیان کرنا چھوڑ دیں۔''

گویا معتزلہ صرف اسماء وصفات اور رؤیتِ باری تعالیٰ کے متعلق ایک ہزار احادیث کے منکر ہیں۔ ان کے باقی افکار پر انکارِ احادیث مستزاد ہے۔ مگر اِدھر مولانا اصلاحی ہیں جو معتزلہ کی ہم نوائی پر یک گونا فخر کرتے ہیں، چنانچہ جب ان سے پوچھا گیا کہ ''آپ بڑی آسانی سے معتزلہ کی ہاں میں ہاں ملا دیتے ہیں، جب کہ علماء ان کو ایک گمراہ فرقہ قرار دیتے ہیں؟'' تو اس کے جواب میں اصلاحی صاحب نے فرمایا:

''معتزلہ سے جو سوئے ظن علماء کو ہے وہ مجھے کبھی نہیں رہا ہے۔ واقعہ یہ ہے اگر کوئی میرے بارے میں یہ کہے کہ یہ معتزلی ہے تو میں اس کو گالی نہیں سمجھتا۔''

گویا اصلاحی صاحب معتزلہ سے حسن ظن رکھتے ہیں اور اپنے لیے معتزلی کہلانے کو بھی برا نہیں سمجھتے۔ جب امرِ واقع یہ ہے تو انھیں معتزلہ کی طرح اگر منکرِ حدیث کہہ دیا گیا ہے تو اس سے کسی کو جز بز ہونے کی ضرورت نہیں۔ بالخصوص جب کہ اصلاحی صاحب معتزلہ کی ہم نوائی میں رؤیتِ باری تعالیٰ، معراجِ جسمانی اور عذابِ قبر وغیرہ کا انکار کرتے ہیں۔ معتزلہ جس طرح معجزات کے منکر ہیں، اصلاحی صاحب نے بھی بہت سے قرآنی معجزات کا انکار کیا ہے جس کی تفصیل محترم حافظ صاحب نے باحوالہ بیان کی ہے۔

اصلاحی صاحب کے انکارِ حدیث کے ثبوت کے علاوہ حافظ صاحب نے اصلاحی صاحب کے متعدد تضادات بھی ذکر کیے ہیں جو بیس صفحات پر مشتمل ہیں اور بڑے حیرت انگیز ہیں۔

محترم حافظ صاحب نے اصلاحی صاحب کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ ان کے نظریہ حدیث کے تناظر میں ہی لکھا ہے۔ حدیث کی توضیح وتشریح یا قرآن مجید کی تفسیر وتعبیر میں جہاں جہاں کھیل کھیلا ہے، اس

[1] مولانا امین احسن اصلاحی، ص: 311,312

سے انھوں نے تعرض نہیں کیا، تاہم اس حوالے سے کتاب کے آخر میں جناب سید خورشید حسن رضوی صاحب کے ایک مضمون کا خلاصہ نقل کیا ہے جو ''تدبر قرآن جلد اول کا مطالعہ'' کے عنوان سے مجلہ تحقیقات اسلامی (علی گڑھ۔ جنوری 2001ء) میں شایع ہوا تھا جس سے ''تدبر قرآن'' کے غبارے سے ہوا نکلتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔

- - - - - - - - - - - - - - - - - -

بہرنوع حضرت حافظ صلاح الدین یوسف متعنا اللہ بطول حیاتہ کی یہ کتاب فی الواقع اصلاحی صاحب کے نظریۂ حدیث کو سمجھنے میں انسائیکلو پیڈیا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان کی یہ مخلصانہ کوشش بارآور فرمائے اور جوئندگانِ راہِ حق کے لیے منارۂ نور بنائے۔

ہم ''مجلس البحث العلمی المدینہ اسلامک ریسرچ سنٹر'' کے شکرگزار ہیں جنھوں نے اس عظیم الشان کتاب کو بڑی آب وتاب سے شایع کر کے شائقین کے ہاتھوں پہنچانے کی کوشش کی ہے، جزاہم اللہ أحسن الجزاء۔ ہم دعا گو ہیں کہ پروگرام کے مطابق اللہ سبحانہ وتعالیٰ انھیں دوسری اور تیسری جلد بھی جلد از جلد زیورِ طبع سے آراستہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے، انھیں ہمیشہ اپنی مرضیات سے نوازتا رہے اور کتاب وسنت کی اس خدمت کو شرفِ قبولیت سے نوازے، آمین یارب العالمین۔

ہر کام میں اللہ کی مدد حاصل کریں مگر کیسے ؟

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تفسیر، فضائل، پڑھنے کی کیفیت، اوقات ومقامات

حماد امین چاوَلہ [1]

کچھ بسم اللہ کی فضیلت کے بارے میں

اللہ تعالیٰ جو نا صرف یہ کہ ہمارا خالق ہے بلکہ ہمارا پالنہار بھی ہے اور ہم پر سب سے بڑھ کر رحمٰن ورحیم مہربان بھی ہے، وہ ہم سے بڑی محبّت فرماتا ہے وہ چاہتا ہے کہ ہماری دنیا وآخرت سنور جائے، ہم اچھے کام کریں اور ہمارے ہر اچھے کام میں خوب خیر وبرکت ہو جس سے ہمیں بھی فائدہ ہو اور دوسروں کو بھی، اسی مقصد کے حصول کے لیے اُس نے ہمیں بہت سے احکامات دیے۔ اُنہی احکامات میں سے ایک اہم حکم اُس نے ہمیں یہ دیا کہ ہم اپنے ہر اچھے کام کو ’’اللہ‘‘ کے مُقدّس وبابرکت نام سے شروع کریں۔ کیونکہ ذاتِ باری تعالیٰ بڑی مقدس اور بڑی بابرکت ہے، فرمانِ الٰہی ہے: ﴿اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً وَّ صَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَ رَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚۖ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ

---

[1] مدیر المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر کراچی

الْعٰلَمِيْنَ﴾(سورۃ المؤمن:64)''اللہ تو وہ ہے جس نے تمھارے لیے زمین کو رہنے کی جگہ اور آسمان کو چھت بنایا اور تمہاری صورت بنائی تو بہترین صورتیں بنائیں اور تمہیں پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا، یہ ہے اللہ، تمہارا رب، سو اللہ بہت برکت والا ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے۔''اور اُس کی ذات کی طرح اُس کا نام بھی بڑا بابرکت ہے، فرمانِ الٰہی ہے:﴿تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ﴾''بڑا ہی بابرکت ہے تیرے پروردگار کا نام جو عزت وجلال والا ہے''۔(سورۃ الرحمن:78)اس لئے تمام جائز واچھے کام اسی''اللہ'' کے نام کے ساتھ شروع کرنا نا صرف یہ کہ اسلامی تعلیم ہے بلکہ اُن کاموں میں خیر و برکت، آسانی و کامیابی کے حصول کا بنیادی ذریعہ بھی ہے۔

خاص طور پر اگر ہم چاہتے ہیں:

❁ جو کام ہم نے شروع کیا ہے وہ خیر سے آسانی کے ساتھ مکمّل ہو جائے۔

❁ ہمارے ہر اچھے کام میں خوب برکت اور فائدہ ہو۔

❁ اُس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں اللہ کی مدد ہمارے شاملِ حال رہے۔

❁ اور اس میں کوئی رُکاوٹ، پریشانی، تکلیف اور نقصان بھی نہ آئے۔

❁ کہ ہم اپنے ہر کام میں کامیاب ہو جائیں۔

❁ اور اگر اُس کام کا تعلّق نیکی سے ہے تو وہ اللہ کے یہاں قبول بھی ہو جائے اور اس کے بہترین اثرات ونتائج بھی ہمیں حاصل ہو جائیں۔

تو ہمیں اپنے اللہ کے اِس حکم کی تعمیل کرنی ہوگی۔

نیز یہ حکم اللہ نے اپنے پیارے وبرگزیدہ پیغمبر جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت یعنی تمام مسلمانوں کو بھی دیا ہے۔

بسم اللہ کے مذکورہ فوائد ہمیں کب اور کیسے حاصل ہوں گے؟

یہاں یہ بات بھی سمجھنا ضروری ہے کہ انسان کو کسی بھی جائز و اچھے کام میں مذکورہ فوائد اُسی وقت حاصل ہوں گے جب اس میں کم از کم مندرجہ ذیل چار باتیں موجود ہوں گی:

1. پہلے تو اس بات کا پختہ عقیدہ ونظریہ رکھے کہ صرف ایک اللہ ربّ العزّت ہی ہے کہ جو ہر ایک کو ہر وقت ہر طرح سے فائدہ پہنچانے اور نقصان سے بچانے پر مکمّل اور پوری طرح قدرت وطاقت رکھتا ہے، وہی قادرِ مُطلق ہے اور اُس ایک اللہ کے علاوہ کوئی بھی ذات خواہ وہ نبی مرسل ہو، مقرّب فرشتہ ہو، جن ہو، کوئی پیر ومُرشد ہو یا کوئی حجر وشجر وغیرہ، اللہ جل جلالہ کے علاوہ کوئی بھی کسی کو بھی کسی بھی طرح کا فائدہ پہچانے اور نقصان سے بچانے پر قادر نہیں۔

2. وہ یہ بھی پُختہ عقیدہ رکھے کہ کوئی بھی انسان اللہ کے حکم ومشیئت کے بغیر خود اپنے بل بوتے، طاقت واختیارات کی بنا پر نہ ہی خود کوئی فائدہ حاصل کر سکتا ہے اور نہ ہی کسی شر ونقصان سے بچ سکتا ہے، لہٰذا ہر انسان، ہر دم، ہر لمحہ اللہ کا محتاج ہے۔

3. اس کے بعد وہ انسان اپنی جان، مال، عزّت وآبرو سب کچھ اللہ کے حوالے کردے، اس طور پر کہ اللہ ہی پر بھروسہ کرے، اُسی سے ہی امید لگائے اور اُسی سے ہی ڈرے۔

4. پھر اللہ سے فائدہ حاصل کرنے اور نقصان سے بچنے کا مسنون (قرآن کریم وسنّتِ نبویہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے ثابت شدہ) انداز وطریقہ اختیار کرے جس کا ذکر اگلی سطور میں آرہا ہے۔

ان چاروں باتوں پر عمل کرتے ہوئے پھر وہ اللہ سے وہ فائدہ بھی اور نقصان سے بچاؤ بھی طلب کرے تو اُسے یقیناً اللہ کی مکمّل حمایت ومدد حاصل ہوگی ان شاء اللہ۔

بسم اللہ پڑھنے کی کیفیت (کب، کس انداز سے اور کتنی پڑھی جائے)

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' کب اور کہاں مکمّل پڑھی جائے گی، کب محض ''بسم اللہ'' پڑھنے پر اکتفا کیا جائے گا اور کب ''بسم اللہ'' کے ساتھ مزید الفاظ کا اضافہ کر کے پڑھا جائے گا؟

''بِسْمِ اللّٰہِ'' پڑھنے کے تعلّق سے مذکورہ ان تین مواقع اور صورتوں کو ذہن نشین کر لینا ضروری ہے۔

یاد رکھیں اس کا ضابطہ یہ ہے کہ:

1 جہاں کہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' مکمّل پڑھنا ثابت ہے وہاں مکمّل ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' پڑھی جائے گی، جیسے قرآن مجید کی سورتوں کی ابتداء وغیرہ میں۔

2 اور جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محض ''بسم اللہ'' پڑھنا ثابت ہو وہاں محض ''بسم اللہ'' پڑھنے پر ہی پر اکتفا کیا جائے گا، جیسے وضوء کی ابتداء وغیرہ میں۔

3 اور جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ''بسم اللہ'' کے ساتھ مزید الفاظ کا اضافہ کر کے پڑھنا ثابت ہو وہاں اُس مسنون اضافہ کے ساتھ ہی ''بسم اللہ'' پڑھی جائے گی۔

4 اور جہاں جس اچھے کام کی ابتداء میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے الفاظ میں مذکورہ تینوں میں سے کسی صورت میں صراحت سے '' بِسْمِ اللّٰہِ'' پڑھنا ثابت نہ ہو وہاں کسی بھی انداز سے ''بِسْمِ اللّٰہ'' پڑھی جا سکتی ہے کیونکہ ہر جائز اور اچھے کام سے پہلے ''بِسْمِ اللّٰہِ'' پڑھنا مسنون عمل ہے جس کا اہتمام کرنا چاہیے

خلاصہ کلام: یہ ہے کہ جہاں جس انداز سے ''بِسْمِ اللّٰہِ'' پڑھنا ثابت ہو وہاں اسی انداز سے پڑھیں اور جہاں مخصوص انداز سے ثابت نہ ہو اور وہ کام بھی جائز اور اچھا ہو تو وہاں اللہ کا نام ضرور لیں، چاہیں تو مکمّل ﴿بِسْمِ اللّٰهِ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ پڑھ لیں اور چاہیں تو محض ﴿ بِسْمِ اللّٰهِ ﴾ کہنے پر اکتفا کر لیں اور چاہیں تو ﴿ بِسْمه تعالیٰ ﴾ وغیرہ کہہ لیں۔ واللہ اعلم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بے حد رحم فرمانے والا ہے

مختصر و اجمالی تفسیر

''ب'': حرفِ ''ب'' کے عربی میں کئی معنی ہوتے ہیں اور یہاں استعانت (مدد طلب کرنے) یا مصاحبت (ساتھ) کے معنی میں ہے۔

''اسم'': کا معنی ہے ''نام''۔

اللہ:

بِسۡمِ اللہ میں (اللہ) اللہ تعالیٰ کا (ذاتی) نام ہے۔ اللہ عزّوجل کے اور بھی کئی پیارے (صفاتی) نام ہیں۔ جن کا ذکر قرآن وسنت میں وارد ہوا ہے۔

اللہ اس ذات کا نام ہے جس میں تمام کمال والی صفات پائی جاتی ہیں۔ یہی لفظ اسمِ اعظم ہے۔ کیونکہ تمام کمال والی صفات اسی کے تابع ہیں، فرمان الٰہی ہے:

﴿هُوَ اللّٰهُ الَّذِيۡ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ‌ۚ عٰلِمُ الۡغَيۡبِ وَالشَّهَادَةِ‌ۚ هُوَ الرَّحۡمٰنُ الرَّحِيۡمُ﴾ (الحشر:22)

''وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی عبادت کا حقدار نہیں، جو ظاہر و باطن کا علم رکھتا ہے اور بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔''

لفظ الجلالۃ ''اللہ'' کا معنی ہے: وہ ذات جو ''معبودِ برحق'' ہے۔

یعنی وہ مبارک اور بلند مقام ذات کہ جو ''اکیلا معبودِ برحق'' ہے، جس کی الوہیت، ربوبیت اور اسماء وصفات

یعنی مبارک ناموں اور بلند و با کمال صفات میں کوئی اُس کا ہمسر و شریک نہیں۔

اللہ کو اکیلا ماننا ''توحید'' کہلاتا ہے اور اس کی تین بنیادی قسمیں ہیں: توحیدِ الوہیت، توحیدِ ربوبیت اور توحیدِ اسماء وصفات۔

توحیدِ الوہیت سے مراد

عبادت اور عبادت کی جملہ اقسام ہیں۔ جس میں اللہ کا نہ ہی کوئی ہمسر ہے اور نہ ہی کوئی شریک۔ وہی اکیلا رکوع و سجود، نذر و نیاز، ذبح و قربانی کیے جانے کے لائق ہے، اُسی کے سامنے ہاتھ بھی اٹھائے جائیں اور اُسی کے سامنے اُسی کے در پر سر بھی جھکایا جائے، اُسی پر توکل و بھروسہ کیا جائے، اُسی سے محبّت کی جائے اور اُسی کی محبت کی وجہ سے کسی سے بھی محبّت کی جائے، اُسی سے ڈرا جائے اور اُسی سے امیدیں وابسطہ کی جائیں، اُسی کو پکارا جائے اور اُسی سے مدد مانگی جائے ان تمام امور میں کسی بھی غیر اللہ کو اللہ کے ساتھ شریک نہ ٹھرایا جائے۔ الغرض عبادت اور اس کی تمام اقسام، وہ دلی عبادت ہو یا جسمانی و بدنی عبادت یا مالی عبادت ہو، سب کی سب اُسی ایک اللہ کے ساتھ خاص ہیں لہٰذا ان میں اللہ کو ایک ماننا اور اللہ کے ساتھ کسی بھی غیر اللہ کو شریک نہ ٹھرانا ہی لفظ الجلالہ ''اللہ'' کا معنی بھی اور تقاضہ بھی اور یہی مقصدِ بعثتِ رسُل علیہم السلام بھی ہے، یہی ایمان کا ضابطہ و معیار ہے اور اسی پر کل قیامت کے دن جنت و جہنم کے فیصلے ہوں گے۔ اسے خوب اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے۔

توحیدِ ربوبیت سے مراد

یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی اکیلا اِس پوری کائنات اور کائنات کی ہر مخلوق کا خالق و مالک و رازق و مدبِّر ہے کائنات کی ہر شئ و ذات اُس کی غلام و محتاج ہے اور وہ سب سے بے نیاز ہے، وہی اکیلا داتا،

دستگیر، حاجت روا، مشکل کشا، غوثِ اعظم، فریاد رس، نیّا پار لگانے والا، بگڑی بنانے والا، اولاد دینے والا الغرض ہر قسم کی نعمتیں دینے والا اور ہر قسم کی مصیبت، تکلیف اور پریشانی سے نجات دینے والا بھی بس وہی اکیلا ہے، وہی مُدبِّر بھی ہے جو اس کائنات میں اکیلا ہی ہر قسم کے تصرّفات کا اختیار بھی رکھتا ہے، اُس کے اذن ومشیئت کے بغیر کوئی پتّہ تک ہل نہیں سکتا، وہ جو چاہتا ہے جس کے لیے چاہتا ہے جب چاہتا ہے جیسے چاہتا ہے وہ کرتا ہے، سب اُس کے سامنے جوابدہ ہیں اور وہ کسی کے سامنے جوابدہ نہیں، وہی مُختارِ کل اور قادرِ مطلق ہے، ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ ہی رہے گا۔ ان تمام امور میں وہ اکیلا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔

توحیدِ اسماء وصفات: جس طرح اللہ تعالیٰ اپنی الوہیت وعبادت اور ربوبیت میں اکیلا اور واحد واحد ہے اسی طرح وہ اپنے تمام مبارک ناموں اور بُلند وباکمال صفات میں بھی وحدہ لاشریک ہے۔

وہ رحمان ورحیم بھی ہے اور جبّار وقوی بھی، اُس کی رحمت کائنات کی ہر شئی پر وسیع ومحیط ہے، اُس کے بڑے ہی خوبصورت ومبارک نام بھی ہیں اور بلند وباکمال صفات بھی ہیں اور اُس کی الوہیت وعبادت میں، اُس کی ربوبیت میں اور اس کے ناموں اور باکمال صفات میں اُس کا کوئی شریک وہمسر نہیں ہے خواہ وہ نبی مرسل ہو، مقرّب فرشتہ ہو، جن ہو، کوئی پیر ومُرشد ہو یا کوئی حجر وشجر وغیرہ۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ﴾ (الحشر:22)

''وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی عبادت کا حقدار نہیں، جو ظاہر وباطن کا مکمّل علم رکھتا ہے اور بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔''

اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

❁ یہ دونوں اللہ تعالیٰ کے صفاتی نام ہیں جو کہ ''رح م'' (رحم) سے مشتق ہیں۔ حدیثِ قدسی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''میں رحمٰن ہوں، میں نے ہی رحم (رشتہ داری) کو پیدا کیا ہے اور اپنے نام سے اس کا نام

رکھا ہے۔ میں رحم (رشتہ داری) جوڑنے والوں پر رحم کروں گا اور توڑنے والوں پر رحم نہیں کرونگا۔‘‘[1]

❁ اور یہ دونوں مبالغہ کے صیغے ہیں (مبالغہ یعنی جس میں حد سے زیادہ کا معنی پایا جائے)۔

’’رحمٰن‘‘ اور ’’رحیم‘‘ میں فرق

❁ رحم (رحمت ومہربانی) کی صفت ’’رحمٰن‘‘ میں ’’رحیم‘‘ سے زیادہ ہے۔ ’’رحمٰن‘‘ میں ’’رحیم‘‘ کی نسبت اتنا زیادہ مبالغہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے دوسرے ذاتی نام کا درجہ رکھتا ہے۔

❁ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں ’’رحمٰن‘‘ وہ مبارک اور اعلیٰ صفت ہے کہ جس کا استعمال غیر اللہ یعنی مخلوق کے لیے حرام اور ناجائز ہے۔ جبکہ ’’رحیم‘‘ کا استعمال مخلوق کے لیے بھی کیا جا سکتا ہے۔

نیز ان دونوں کے درمیان اس طرح بھی فرق کیا گیا ہے کہ:

❁ ’’رحمٰن‘‘ سے مراد ہے کہ مسلم وکافر دونوں پر رحم کرنے والا جبکہ ’’رحیم‘‘ سے مراد کہ جس کی رحمت اُس کے مؤمن بندوں کے ساتھ خاص ہو۔

❁ ’’رحمٰن‘‘ سے دنیا اور آخرت دونوں میں رحم فرمانے والا اور ’’رحیم‘‘ سے صرف آخرت میں رحم فرمانے والا مراد ہے۔ اور دنیا کے مقابلہ میں آخرت کی رحمت کیا ہوگی اس کا اندازہ درجِ ذیل حدیث کیا جا سکتا ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ: ’’اللہ کی رحمت کے سو(100) حصّے ہیں، جن میں سے صرف ایک حصّہ اُس نے دنیا میں تمام مخلوقات انس وجن، چرند پرند، کیڑے مکوڑے وغیرہ کے لیے اتارا ہے جس کی وجہ سے وہ ایک دوسرے کے ساتھ نرمی ومحبت کا معاملہ کرتے ہیں اور اسی (ایک رحمت کے حصے) کی وجہ سے درندے اپنی اولاد سے محبت ورحمت کا معاملہ کرتے ہیں۔ جبکہ رحمت کے بقیہ ننانویں حصّے اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے ہی مختص کر رکھے ہیں کہ جن کے ساتھ وہ روزِ آخرت اپنے

[1] سنن أبي داؤد، كتاب الزكاة، بَاب فِي صِلَةِ الرَّحِمِ، حديث: 1694

بندوں پر رحم فرمائے گا۔‘‘[1]

❁ نیز رحمٰن ورحیم کے مابین فرق میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ایک عظیم قول بھی ہے وہ فرماتے ہیں کہ: رحمن سے مراد یہ ہے کہ جو کچھ اس سے مانگا جائے وہ دیدے اور رحیم سے مراد یہ ہے کہ اگر اُس سے مانگا نہ جائے تو وہ ناراض ہو جائے۔

بِسْمِ اللّٰہِ سے متعلّقہ چند اہم مسائل کا اجمالی جائزہ

’’بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم‘‘ قرآن کریم کی ’’سورۃ نمل‘‘ میں آیتِ سجدہ کے بعد والی ’’آیت کا مستقل جزو‘‘ ہے۔

جہاں تک ’’بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم‘‘ کا ہر سورت کی ابتداء میں لکھے اور پڑھے جانے کا تعلّق ہے تو اس میں صحیح بات یہ ہے کہ یہ سورۃ فاتحہ کے علاوہ کسی بھی سورت کی پہلی آیت نہیں، بلکہ محض دو سورتوں کے درمیان فاصلہ کے لیے لکھی اور پڑھی جاتی ہے سوائے سورۃ التوبہ (سورہ برأت) کے کہ اُس کے شروع میں ’’بسم اللہ‘‘ نہ لکھی جائے گی اور نہ پڑھی جائے گی۔

بسم اللہ پڑھنے کے اوقات ومقامات

❶ قرآن مجید کی تلاوت اور کچھ بھی اچھا پڑھنے سے پہلے:

ارشاد ربانی ہے کہ: ﴿اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ﴾ (العلق:1)

’’پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے (تمام مخلوق کو) پیدا کیا‘‘۔

❷ کچھ بھی اچھا وجائز لکھنے سے پہلے جیسے خطوط، رسائل، ایمیل، درخواست وغیرہ:

ہمارے پیارے نبی کریم جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ طریقہ تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو بادشاہوں کی طرف خطوط لکھے ان کی ابتدا بھی ’’بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم‘‘ سے فرمائی تھی، اور اسی طرح سلف صالحین کا بھی یہی

---

[1] صحيح مسلم ،كتاب التوبه،بَاب فِي سِعَةِ رَحْمَةِ اللَّهِ تَعَالَى،حديث:2752

عمل رہا ہے۔

تنبیہ: ایک اہم مسئلہ ''بسم اللہ اور عدد 786'' کی وضاحت:

آجکل عوام میں یہ رواج ہے کہ کسی بھی چیز کی ابتداء میں 786 کا عدد لکھتے ہیں اور ان کا گمان ہے کہ ابجد کے حساب سے یہ ''بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم'' کا عدد بنتا ہے اور یہ بھی سمجھتے ہیں کہ اس طرح ''بسم اللہ'' کی بے ادبی نہیں ہوتی۔

یہ سب نہایت غلط اور غیر شرعی ہے کیونکہ ایک تو ایسا کرنا نبی کریم ﷺ اور آپ کے بعد کے نیک لوگوں سے بھی ثابت نہیں لہٰذا یہ دین میں نیا کام ہے، اس لئے بدعت ہے۔

اور دوسری بات یہ کہ اگر بے ادبی کے خدشہ کے پیشِ نظر ایسا کرنا صحیح ہوتا تو رسول اللہ ﷺ نے جن بادشاہوں کی طرف خطوط لکھے تھے جن کی ابتداء میں بسم اللہ لکھی تھی تو وہ حکمران تو کافر تھے اور وہاں اس کی بے ادبی کا خدشہ زیادہ تھا بلکہ ایران کے بادشاہ نے تو خط کی اہانت کی اور اسے پھاڑ ڈالا، اس کے باوجود نبی کریم ﷺ نے یہ طریقہ نہ بدلا اور بسم اللہ کا کوئی بدل اختیار نہیں فرمایا اس لیے ہمیں نبی کریم ﷺ ہی کی پیروی کرنی چاہیے۔

اسی طرح یہ بھی سمجھنا چاہیے کہ اعداد کبھی بھی قرآن کریم واذکار کا بدل نہیں ہو سکتے اور اگر ایک لمحہ کے لیے یہ تصور کر بھی لیا جائے تو پھر کیا اس بدل کی بھی توہین کا خدشہ باقی نہیں رہتا؟ اور کیا بسم اللہ اور قرآن کریم واذکار کا جو یہ متبادل اعداد کی صورت میں نکالتے ہیں تو کیا ان کی توہین جائز ہے؟

اسی طرح اعداد کو متبادل کے طور پر اختیار کیے جانے کا ایک اور بڑا نقصان یہ بھی ہوا کہ لوگ بجائے اس کے کہ اللہ کے نام، قرآن کریم واذکار کے معاملہ میں مزید ادب واحتیاط برتنے کی کوشش کرتے اور اس پر اُن کی تربیت ہوتی، ہوا یہ کہ اعداد کو اختیار کر کے وہ بے فکر ہو گئے اور اصل مقصد جو کہ اللہ کے نام، قرآن کریم واذکار کا احترام اور ان کے ساتھ زبانی وعملی تعلق تھا، اُس سے غافل ہو گئے۔

لہٰذا ان سب باتوں پر غور کرنے کی اور انہیں سمجھنے کی ضرورت ہے، جس عمل کو شریعتِ مطہرہ نے جیسے رکھا ہے اُس میں تبدیلی کرنے یا اُس کا متبادل ڈھونڈنے کی بجائے اُسے اپنی اصل حالت پر قائم رکھا جائے اور اُس سے متعلقہ جو غفلت و لا پرواہی پائی جاتی ہے اُس کی اصلاح کی کوشش کی جائے۔ اللہ تعالیٰ سب کو ہدایت عطا فرمائے۔ آمین

3 صلح نامہ اور دستاویز وغیرہ لکھنے سے پہلے

کوئی صلح نامہ یا دستاویز وغیرہ لکھتے وقت اس کے شروع میں ''بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم'' لکھنا بھی مسنون ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صلح حدیبیہ کے موقع پر مشرکین کے ساتھ جو صلح نامہ لکھوایا اس میں بھی پہلے ''بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم'' لکھنے کا حکم دیا۔

نوٹ

مذکورہ تینوں کاموں میں پوری ''بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم'' پڑھی جائے۔

اگلی سطور میں جو امور ذکر کیے جا رہے ہیں اُن میں جہاں محض ''بسم اللہ'' کا ذکر ہے وہاں صرف ''بسم اللہ'' ہی پڑھی جائے اور جہاں ''بسم اللہ'' کے ساتھ مزید الفاظ مذکور ہیں وہاں وہ اضافی الفاظ بھی ساتھ پڑھے جائیں۔

4 کھانے سے پہلے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے: 'بِسْمِ اللّٰهِ' کہہ کر دائیں ہاتھ سے اور اپنے آگے سے کھاؤ۔[1] اور حدیث میں ہے کہ شیطان لوگوں کے کھانے کو اپنے لئے حلال کرنے کی کوشش کرتا ہے اس طرح کہ اس پر ﴿بِسْمِ اللّٰهِ﴾ نہ

---

[1] صحيح البخاري: بَابُ التَّسْمِيَةِ عَلَى الطَّعَامِ وَالأَكْلِ بِاليَمِينِ، حديث: 5376

پڑھی جائے۔

بسم اللہ پڑھ کر کھانے سے کھانے میں برکت ہوتی ہے۔ [1]

تنبیہ: اگر کھانے سے پہلے بِسْمِ اللّٰہ پڑھنا بھول جائے تو جس وقت یاد آئے تو کہے: بِسْمِ اللّٰهِ أَوَّلَهُ وَآخِرَهِ ''میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام کے ساتھ اس (کھانے) کے شروع اور آخر میں''۔ [2]

5 پینے سے پہلے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے: ''تم جب کوئی چیز پینے لگو تو ﴿بِسْمِ اللّٰهُ﴾ کہا کرو اور بعد میں (یعنی جب پی چکو تو) الحَمْدُ للهِ پڑھا کرو۔'' [3]

6 وضو، غسل اور تیمّم شروع کرتے وقت

فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ: ''اس شخص کا وضو نہیں ہوتا جو شروع میں اللہ کا نام نہ لے۔'' [4] اسی معنی میں مزید آٹھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث مروی ہیں۔

7 8 مسجد میں داخل ہوتے اور نکلتے وقت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں داخل ہوتے اور نکلتے وقت یہ دعا پڑھتے:

مسجد میں داخل ہونے کی دعا:

---

[1] مجمع الزوائد للهيثمى

[2] ابوداؤد، كِتَابُ الأَطْعِمَةِ، بَاب التَّسْمِيَةِ عَلَى الطَّعَامِ، حديث نمبر: 3767

[3] ترمذی

[4] ابوداؤد، كِتَابُ الطَّهَارَةِ، بَاب فِي التَّسْمِيَةِ عَلَى الْوُضُوءِ، حديث: 101

﴿اَعُوْذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ وَبِوَجْھِہِ الْکَرِیْمِ وَسُلْطَانِہِ الْقَدِیْمِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لِي أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ۔﴾[1]

''میں شیطان مردود سے عظمت والے اللہ کی، اس کے کریم چہرے اور اس کی قدیم سلطنت کی پناہ مانگتا ہوں۔ اللہ کے نام کے ساتھ (داخل ہوتا ہوں) اور درود وسلام ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر۔ اے اللہ! میرے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔''

مسجد سے نکلنے کی دعا

﴿ بِسْمِ اللّٰہِ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ وَافْتَحْ لِیْ أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ۔﴾[2]

''اللہ کے نام کے ساتھ (میں نکلتا ہوں) اور درود وسلام ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر۔ اے اللہ! میرے لیے اپنے فضل کے دروازے کھول دے۔ اے اللہ! مجھے شیطان مردود سے بچا کے رکھ۔''

9 گھر میں داخل ہوتے وقت

سیدنا جابر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اپنے گھر میں داخل ہوا اور اس نے داخل ہوتے وقت اور کھانا کھاتے وقت اللہ کا نام لے لیا تو شیطان اپنے چیلوں سے کہتا ہے کہ یہاں تمہارے لئے نہ رہنے کی جگہ ہے اور نہ کھانے کے لیے کچھ ہے اور اگر اللہ کا نام نہیں لیا تو شیطان اپنے چیلوں سے کہتا ہے کہ یہاں تمہیں رہنے کی جگہ بھی ملے گی اور کھانا بھی۔[3]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے ہر شخص گھر میں داخل ہوتے وقت یہ دعا پڑھے:

---

[1] أبوداود، ترمذی، ابن ماجہ

[2] ایضاً

[3] صحیح مسلم، کِتَابُ الْاَشْرِبَۃِ، بَابُ آدَابِ الطَّعَامِ وَالشَّرَابِ وَاَحْکَامِھَا، حدیث: 2018

«اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ خَيْرَ الْمَوْلَجِ ، وَخَيْرَ الْمَخْرَجِ ، بِسْمِ اللّٰهِ وَلَجْنَا، وَبِسْمِ اللّٰهِ خَرَجْنَا، وَعَلَى اللّٰهِ رَبِّنَاتَوَكَّلْنَا۔ »

''اے اللہ! میں تجھ سے داخل ہونے اور نکلنے کی خیر و بھلائی مانگتا ہوں اور ہم اللہ کے نام کے ساتھ (گھر میں) داخل ہوتے اور نکلتے ہیں اور اپنے پروردگار اللہ ہی پر بھروسہ کرتے ہیں''۔

یہ دعا پڑھ کر پھر اپنے گھر والوں کو سلام کہے۔ [1]

10 گھر سے نکلتے وقت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر سے نکلتے وقت آسمان کی طرف (نظر اٹھا کر) یہ دعا پڑھتے تھے:

« بسم اللّٰهِ توكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ،اللَّهُمَّ إِنِّي أعوذُ بِكَ أنْ أَضِلَّ أو أُضَلَّ، أَوْ أَزِلَّ أَوْ أُزَلَّ ، أَوْ أظلِمَ أَوْ أُظلَم ، أَوْ أَجْهَلَ أو يُجهَلَ عَلَيَّ۔ »

''میں اللہ کے نام کے ساتھ گھر سے نکلتا ہوں، میں نے اللہ پر بھروسہ کیا، اے اللہ میں تیری پناہ چاہتا ہوں (اس بات سے) کہ میں گمراہ ہوجاؤں یا مجھے گمراہ کردیا جائے، میں پھسل جاؤں یا مجھے پھسلا دیا جائے، میں ظلم کروں یا مجھ پر ظلم کیا جائے، میں کسی کے ساتھ جہالت سے پیش آؤں یا میرے ساتھ جہالت سے پیش آیا جائے۔'' [2]

11 12 13 گھر اور اولاد سے متعلق اہم حکم

گھر کے دروازے بند کرتے، برتنوں کو ڈھانپتے اور چراغوں کو بجھاتے ہوئے:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:''کہ رات کے شروع ہوتے ہی بچوں کو (گھروں میں) بند کرلیا کرو کیونکہ اس وقت شیطان منتشر ہوتے ہیں۔ 'بسم اللہ' کہہ کر دروازے بند کیا کرو اور اس

---

1. ابوداؤد،كِتَابُ الْأَدَبِ،بَاب مَا يَقُولُ الرَّجُلُ إِذَا دخل بيته،حديث:5096
2. ترمذی،أَبْوَابُ الدَّعَوَاتِ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ،بَاب مِنْهُ،حديث:3427

طرح بند کیا ہوا دروازہ شیطان نہیں کھول سکتا نیز 'بسم اللہ' کہہ کر مشکیزوں کے منہ بند کرو، برتنوں کو ڈھانکو اور چراغوں کو بجھا دو۔"[1]

14 بیت الخلاء جاتے وقت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیت الخلاء میں داخل ہونے سے پہلے یہ دعا پڑھتے:

﴿بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الخُبُثِ وَالخَبَائِث﴾۔[2]

''اللہ کے نام کے ساتھ، اے اللہ! میں تیری پناہ میں آتا ہوں خبیث جنوں اور جنّیوں سے۔''

15 سوتے وقت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سوتے وقت یہ دعا پڑھتے تھے:

﴿اللَّهُمَّ بِاسْمِكَ أَمُوتُ وَأَحْيَا﴾[3]

"اے اللہ میں تیرے ہی نام سے مرتا ہوں اور تیرے ہی نام سے جیتا ہوں۔''

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سوتے وقت یہ دعا بھی سکھلائی ہے:

﴿بِاسْمِكَ رَبِّي وَضَعْتُ جَنْبِي وَبِكَ أَرْفَعُهُ إِنْ أَمْسَكْتَ نَفْسِي فَارْحَمْهَا وَإِنْ أَرْسَلْتَهَا فَاحْفَظْهَا بِمَا تَحْفَظُ بِهِ عِبَادَكَ الصَّالِحِينَ۔﴾[4]

"اے میرے رب! تیرے ہی نام کے ساتھ (میں سوتا ہوں اور) اپنا پہلو (بستر پر) رکھتا ہوں اور تیرے ہی حکم سے اس کو اٹھاؤں گا، اگر تو میری روح کو روک لے (یعنی مجھے موت دے دے) تو اس (روح) پر رحم فرمانا اور اگر اس کو (کچھ مہلت تک مزید) چھوڑ دے تو اُس کی اِس

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الأشربة، بَابُ الْأَمْرِ بِتَغْطِيَةِ الْإِنَاءِ وَإِيكَاءِ السِّقَاءِ، حدیث: 5300

[2] صحیح بخاری، 142

[3] صحیح بخاری، كِتَابُ الدَّعَوَاتِ، بَابُ وَضْعِ اليَدِ اليُمْنَى تَحْتَ الخَدِّ الأَيْمَنِ، حدیث: 6314

[4] صحیح بخاری، کتاب الدعوات، باب حدیث: 6320

طرح حفاظت فرمانا جس طرح تو اپنے نیک بندوں کی حفاظت فرماتا ہے۔"

16 سواری پر سوار ہوتے وقت:

نبی کریم ﷺ سواری پر سوار ہوتے وقت یہ دعا پڑھتے:

﴿بِسْمِ اللّٰهِ ،الحمدُ لِلّٰهِ ، سُبْحَانَ الَّذِي سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِينَ وَإِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا لَمُنقَلِبُونَ الْحَمْدُ للّٰهِ ، الْحَمْدُ للّٰهِ ، الْحَمْدُ للّٰهِ، اللّٰهُ أَكْبَر ، اللّٰهُ أَكْبَر،اللّٰهُ أَكْبَر سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي فَاغْفِرْ لِي فَإِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ إِلَّا أَنْتَ﴾۔[1]

"اللہ کے نام کے ساتھ (میں سوار ہوتا ہوں)، تمام تعریفات اللہ ہی کے لیے ہیں،" پاک ہے وہ (اللہ) جس نے ہمارے لیے ان چیزوں کو مسخر کر دیا۔ ورنہ ہم انہیں قابو میں کرنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔" تمام تعریفات اللہ ہی کے لیے ہیں، تمام تعریفات اللہ ہی کے لیے ہیں، تمام تعریفات اللہ ہی کے لیے ہیں، اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، اے اللہ! تو ہر عیب سے پاک ہے، یقیناً میں نے اپنے آپ پر ظلم کیا ہے پس تو مجھے بخش دے تیرے سوا میرے گناہوں کو بخشنے والا کوئی نہیں ہے"۔

17 کسی حادثہ، آفت اور سواری کے ٹھوکر کھاتے وقت

ایک صحابی نبی ﷺ کے ہمراہ (کسی سفر میں) آپ کے پیچھے سوار تھے کہ اچانک آپ ﷺ کی سواری نے کچھ ٹھوکر کھائی، انہوں نے شیطان پر لعنت بھیجی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ایسا مت کرو کیونکہ شیطان اس طرح (اپنا ذکر کیے جانے پر) خوشی (سے پھول کر) بڑی عمارت جیسا ہو جاتا ہے، بلکہ ایسے موقع پر "بسم اللہ" کہا کرو، اگر ایسا کرو گے تو شیطان (ذلیل و رسوا ہو کر) سکڑ کر کسی مکھی کے برابر ہو جائے گا۔[2]

---

[1] ضعيف ذخيرة الحفاظ لابن القيسراني

[2] ابو داؤد،كتاب الأدب، بَاب لَا يُقَالُ خَبُثَتْ نَفْسِي ـــــ حديث:4982

18 زخم یا چوٹ لگنے کے وقت

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جنگ احد میں اکیلے طلحہ بن عبداللہ نے گیارہ (11) مردوں کی طاقت کے برابر بہادری کا مظاہرہ کرتے ہوئے لڑائی کی یہاں تک کہ ان کے ہاتھ کو چوٹ لگی اور ان کی انگلی کٹ گئی جس سے ان کی چیخ نکل گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:«لَوْقُلْتَ بِسْمِ اللّٰهِ لَرَفَعَتْكَ الْمَلائِكَةُ»[1]۔ ”اگر تم اس وقت ”بسم اللہ“ کہتے تو اللہ کے فرشتے تجھے اٹھا لیتے اور لوگ تمہاری طرف دیکھتے رہتے۔“

19 معاشی تنگدستی و پریشانی کے وقت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تمہیں کس بات نے روکا ہے کہ تم رزق کی تنگی و پریشانی کے وقت جب بھی گھر سے باہر نکلو تو یہ دعا پڑھو:

« بِسْمِ اللّٰهِ عَلَى نَفْسِي وَمَالِي وَدِينِي اللَّهُمَّ رَضِّنِي بِقَضَائِكَ وَبَارِكْ لِي فِيمَا قُدِّرَلِىْ حَتّٰى لا أُحِبَّ تَعْجِيلَ مَا أَخَّرْتَ وَلا تَأْخِيرَ مَا عَجَّلْتَ » (ضعیف)

”میں اللہ کا نام لیتا ہوں اپنے نفس، مال اور دین پر، اے اللہ مجھے اپنے فیصلے پر راضی رکھ، اور جو رزق تو نے میرے لئے مقرر فرمایا ہے اس میں برکت ڈال دے تاکہ میں یہ نہ چاہوں کہ جس کام کو تو (اپنی حکمت کے مطابق) میرے لئے مؤخر کردے وہ جلدی ہو جائے اور جس کام کو تو (اپنی حکمت کے مطابق) میرے لئے جلدی کردے وہ مؤخر ہو جائے۔“

20 بازار میں داخل ہوتے وقت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بازار میں داخل ہوتے وقت یہ دعا پڑھتے تھے:

«بِسْمِ اللّٰهِ اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ خَيْرَ هَذِهِ السُّوقِ وَخَيْرَ مَا فِيهَا،وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ

[1] سنن النسائی،کتاب الجهاد،مَا يَقُولُ مَنْ يَطْعَنُهُ الْعَدُوُّ،حدیث:3149(السلسلة الصحيحة:2796)

شَرِّهَا وَشَرِّ مَا فِيهَا ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ أَنْ أُصِيبَ فِيهَا يَمِينًا فَاجِرَةً أَوْ صَفْقَةً خَاسِرَةً ﴾[1]

”اللہ کے نام کے ساتھ داخل ہوتا ہوں، اے اللہ میں تجھ سے اس بازار کی بھلائی اور جو کچھ اس میں ہے اس کی بھلائی کا سوال کرتا ہوں اور اس بازار کی برائی اور جو کچھ اس میں ہے اس کی برائی سے تیری پناہ چاہتا ہوں، الٰہی! میں جھوٹی قسم اور نقصان دہ سودے سے بھی تیری پناہ چاہتا ہوں۔“

21 حلال جانور و پرندہ ذبح کرتے وقت

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ إِن كُنتُم بِآيَاتِهِ مُؤْمِنِينَ﴾۔(الانعام:118)

”پس جس (حلال قرار دئے گئے) جانور پر (ذبح کرتے ہوئے) اللہ کا نام لیا جائے اس میں سے کھاؤ اگر تم اس (اللہ) کے احکامات پر ایمان رکھتے ہو۔“

دوسری آیت میں فرمایا: [وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ] (الانعام:121)

”اور ایسے جانوروں میں سے مت کھاؤ جن پر (ذبح کرتے ہوئے) اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو، یقیناً یہ گناہ کا کام ہے۔“

22 قربانی کا جانور ذبح کرتے وقت

سیدنا انس سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنبے کی قربانی کرتے وقت اس کو لٹا کر گردن پر پاؤں رکھا اور فرمایا: بِسْمِ اللَّهِ اللَّهُ أَكْبَرُ ”میں (ذبح کرتا ہوں) اللہ کے نام کے ساتھ، اللہ سب سے بڑا ہے“۔[2]

23 شکار کے لئے تیر وغیرہ چلاتے وقت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: اگر تم اپنا تیر ”بسم اللہ“ پڑھ کر شکار کو مارو تو وہ شکار حلال ہے۔[3]

---

[1] ضعیف، (ضعیف الجامع 7391)

[2] صحیح بخاری، كِتَابُ الأَضَاحِيِّ، بَابُ التَّكْبِيرِ عِنْدَ الذَّبْحِ، حدیث: 5565

[3] صحیح مسلم، كِتَابُ الصَّيْدِ وَالذَّبَائِحِ، بَابُ الصَّيْدِ بِالْكِلَابِ الْمُعَلَّمَةِ، حدیث: 1929

وضاحت: یعنی وہ حلال جانور یا پرندہ جسے 'بسم اللہ' پڑھ کر شکار کیا گیا ہو تو اُس کا کھانا حلال ہے۔

24 حقِ زوجیت (صحبت) ادا کرنے سے پہلے

فرمانِ نبوی ﷺ ہے: جب تم میں سے کوئی اپنی بیوی کے پاس (صحبت و جماع کے لیے) آنے کا ارادہ کرے تو یہ دعا پڑھے:

《بِسْمِ اللّٰهِ، اللَّهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ ، وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا۔》[1]

''میں ابتدا کرتا ہوں اللہ کے نام کے ساتھ، اے اللہ! تو ہمیں شیطان سے بچا اور اس (اولاد) کو (بھی) شیطان سے بچا جو تو ہمیں عطاء فرمائے''۔ اگر اللہ نے اس (جماع) میں اُن دونوں کے لیے اولاد مقدّر فرمائی تو شیطان اُس اولاد کو (عقل وجسمانی طور پر) نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔

25 جنگ شروع کرتے وقت

رسول اللہ ﷺ جب کسی امیر کے تحت کوئی لشکر جنگ یا کسی مہم کے لئے بھیجتے تو اسے اللہ سے ڈرتے رہنے کی تلقین فرماتے اور لشکر میں موجود مسلمانوں کی بھلائی کے لئے تاکید کرتے پھر فرماتے تھے: ''اللہ کے نام کے ساتھ'' اس کی راہ میں لڑائی شروع کرنا۔۔۔۔۔الخ''[2]

26 میت کو قبر میں اتارتے وقت

رسول اللہ ﷺ میت کو قبر میں اتارتے وقت فرماتے تھے:

《بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلٰى سُنَّةِ رَسُوْلُ اللّٰهِ》 (ترمذی، ابوداوٗد، بیہقی) ''اور آپ ﷺ نے ایسا کہنے کا حکم بھی دیا۔''[3]

---

[1] صحیح بخاری، كِتَابُ الوُضُوءِ، بَابُ التَّسْمِيَةِ عَلَى كُلِّ حَالٍ وَعِنْدَ الوِقَاعِ، حدیث: 141

[2] مسلم۔۔۔؟

[3] ابو داؤد، كِتَاب الْجَنَائِزِ، بَاب فِي الدُّعَاءِ لِلْمَيِّتِ إِذَا وُضِعَ فِي قَبْرِهِ، حدیث: 3213

27 روزانہ صبح اور شام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے: ''جو شخص صبح وشام تین تین مرتبہ یہ دعا پڑھے گا تو اس کو کوئی بھی چیز ہرگز نقصان نہیں پہنچا سکے گی۔''

﴿ بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِي لَا يَضُرُّ مَعَ اسْمِهِ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾

" میں اللہ کے نام کی مدد کے ساتھ (اپنے سارے کام،شروع کرتا ہوں) کہ جس کے نام کے ہوتے ہوئے آسمان وزمین میں کوئی بھی چیز نقصان نہیں پہنچا سکتی اور وہ سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے۔"[1]

28 دم کرتے وقت

دم جھاڑ سے متعلقہ بہت سے اذکار و وظائف اور دعاؤں کے شرع میں ''بسم اللہ'' کہنا کئی احادیث میں مذکور ہے۔

29 ہر تکلیف، درد اور بیماری میں خود پر دَم کرتے وقت

سیدنا عثمان بن ابی العاص کہتے ہیں کہ میں نے اپنے بدن کی بیماری کی شکایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پیش کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: ''درد والی جگہ پر ہاتھ رکھ کر تین مرتبہ 'بسمِ اللّٰہِ' ''اللہ کے نام کی مدد کے ساتھ'' کہو اور سات 7 مرتبہ یہ دعا پڑھو: 'أَعُوذُ بِعِزَّةِ اللّٰهِ وَقُدْرَتِهِ مِن شَرِّ مَا أَجِدُ وَأُحَاذِرُ' "میں اللہ تعالیٰ کی عزت اور قدرت کی پناہ میں آتا ہوں ہر اُس چیز کے شر سے جو میں محسوس کرتا ہوں اور جس کا مجھے اندیشہ وخوف ہے۔"[2]

---

[1] ابوداؤد، كِتَابُ الْأَدَبِ، بَاب مَا يَقُولُ إِذَا أَصْبَحَ، حديث: 5088

[2] صحیح مسلم، کتاب السلام، باب استحباب وضع يده على موضع الالم من الدعا، حديث: 2202

30 جب کسی پر دَم کریں تو جبریل علیہ السلام کا دَم اختیار کیجیے

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیمار ہوئے تو اُس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جبرئیل نے اس طرح دم کیا:

«بِسْمِ اللهِ أَرْقِيكَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ يُؤْذِيكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ نَفْسٍ أَوْ عَيْنٍ حَاسِدٍ اللهُ يَشْفِيكَ ، بِسْمِ اللهِ أَرْقِيكَ.» [1]

"میں اللہ کے نام کے ساتھ تمہیں دم کرتا ہوں ہر اُس چیز سے جو تمہیں تکلیف دے، ہر نفس کے شر سے اور ہر حاسد آنکھ سے، اللہ تجھے شفا دے، میں اللہ کے نام کے ساتھ تجھے دم کرتا ہوں۔"

«بسم اللہ» پڑھے جانے کے اکثر مواقع شیخ العرب والعجم سید بدیع الدین شاہ الرّاشدی رحمہ اللہ کی تصنیفِ جلیل 'احکام البسملة' سے معمولی ردّوبدل کے ساتھ ذکر کیے گئے ہیں، جنہیں ذکر فرمانے کے بعد وہ فرماتے ہیں:

''اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس میں ہر (اچھی) چیز پر اللہ کا نام لیا جاتا ہے۔''

پھر آپ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''یہاں ہم نے صرف وہ امور ذکر کیے ہیں جن کا ذکر ہمیں اپنے ناقص علم کے مطابق قرآن وحدیث سے ملا ہے، مگر سارے اچھے کام بسم اللہ سے شروع کئے جائیں (وہ خواہ معمولی ہی کیوں نہ ہو) مثلاً: خوشبو لگانا، تیل لگانا، کسی برتن سے ڈھکنا اتارنا، دروازہ کھولنا وغیرہ (اسے اپنی عادت بنا لیجیے) اس طرح یہ کام باعثِ برکت ٹھہریں گے ۔۔۔۔۔۔۔ اس تفصیل سے ہمیں '' بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' کی عظمت شان وفضیلت معلوم ہوئی۔'' [2]

آخر میں اللہ سے دعا ہے کہ وہ جمیع معاملات میں ہمیں قرآن وسنّت کے مطابق زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یاربّ العالمین

---

[1] صحیح مسلم، كِتَابُ السَّلَامِ، بَابُ الطِّبِّ وَالْمَرَضِ وَالرُّقَى۔ حدیث: 2186

[2] احکام البسملہ، ص: 27-28

تخلیقِ انسانی کے مراحل

حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روشنی میں

تشریح وتوضیح

از علامہ عبداللہ ناصر رحمانی حفظہ اللہ [1]

عن عبدالله بن مسعود رضي الله عنه قال: ((حدثنا رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو الصادق المصدوق: إن أحدكم يجمع خلقه في بطن أمه أربعين يوما نطفة، ثم يكون علقة مثل ذلک، ثم يكون مضغة مثل ذلک، ثم يرسل إليه الملک فينفخ فيه الروح، ويؤمر بأربع كلمات: بكتب رزقه وأجله وعمله وشقي أو سعيد. فوالله الذى لاإله غيره إن أحدكم ليعمل بعمل أهل الجنة حتى مايكون بينه وبينها إلا ذراع فيسبق عليه الكتاب فيعمل بعمل أهل النار فيدخلها، وإن أحدكم ليعمل بعمل أهل النار حتى مايكون بينه وبينها إلا ذراع فيسبق عليه الكتاب فيعمل بعمل أهل الجنة فيدخلها)) [2]

ترجمہ: ''سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو صادق ومصدوق ہیں نے بیان فرمایا: تم میں سے ہر شخص کی خلقت، اس کی ماں کے پیٹ میں نطفہ کی صورت

[1] سر پرست المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر کراچی

[2] صحيح البخاری، كتاب الأحاديث الانبياء، باب خلق آدم وذريته، حديث: 3332

میں چالیس دن جمع کی جاتی ہے، پھر وہ اتنی ہی مدت جما ہوا خون بن جاتا ہے، پھر اتنا ہی عرصہ کیلئے گوشت کی بوٹی بن جاتا ہے، پھر اس کی طرف فرشتہ کو بھیجا جاتا ہے جو اس کے اندر روح پھونک دیتا ہے، فرشتہ کو چار کلمات کا حکم دیا جاتا ہے، چنانچہ وہ اس کا رزق، اس کی عمر، اس کا عمل اور اس کا شقی (بد بخت) یا سعید (نیک بخت) ہونا لکھ دیتا ہے، اللہ کی قسم! جس کے سوا کوئی معبودِ حق نہیں ہے، تم میں سے کوئی شخص جنت والے کام کرتا رہتا ہے، حتی کہ اس کے اور جنت کے مابین ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے، پھر اس کی تقدیر اس پر غالب آتی ہے اور وہ جہنم والا کوئی عمل انجام دے کر جہنم کا لقمہ بن جاتا ہے، اور تم میں سے کوئی شخص جہنم والے عمل کرتا ہے، حتی کہ اس کے اور جہنم کے درمیان ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے، پھر اس کی تقدیر اس پر غالب آتی ہے اور وہ جنت والا عمل کر کے، جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔“

شرحِ حدیث

اس حدیث کے راوی، فقیہ الامت، ابو عبدالرحمن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ حدیث روایت کرتے ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو «الصادق المصدوق» کہا ہے، صادق اس شخص کو کہا جاتا ہے جو سچی خبر دے اور سچی بات کہے، جبکہ مصدوق وہ شخص کہلاتا ہے جسے صرف سچی خبریں یا باتیں بتلائی جائیں، اور وہ ان سچی خبروں یا باتوں کو بصدقِ تمام آگے پہنچا دے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بذاتِ خود صادق تھے، آپ کے اس وصف کی پوری قوم، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رسول بننے سے پہلے بھی معترف تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مصدوق ہونے کا معنی یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مخبَر بالصدق ہیں، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سچی باتیں بتائی جاتی ہیں، اس سے مراد وحیٔ الٰہی ہے، اس لحاظ سے آپ مصدوق ہیں، اور چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بتمام صدق و امانت سے اس وحی کو آگے پہنچانے والے ہیں لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صادق بھی ہیں۔

سوال یہ ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کی روایت سے قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو «الصادق المصدوق» کیوں کہا؟اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث چند امورِ غیبیہ پر مشتمل ہے، ان امور کا تعلق انسانی تخلیق کے مختلف مراحل سے ہے جن کا کوئی مشاہدہ نہیں کرسکتا، ان امور کی معرفت طریقِ وحی سے ہی ممکن ہے، خاص طور پہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس دور میں مبعوث ہوئے اس میں، آج کے دور کے برعکس طبی یا سائنسی ترقی معدوم تھی، اس دور میں انسانی تخلیق کے ان ادوار ومراحل کی خبر دینا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے صدق وحقانیت کا زبردست ثبوت تھا، اس بات کی دلیل تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ناطقِ وحی ہیں، کیونکہ ان امور کی معرفت، مقدورِ بشریت سے انتہائی بعید ہے، لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ خبریں بیان فرمانا اس بات کی دلیل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اساس اللہ تعالیٰ کی وحی ہے۔

بلکہ اس حدیث میں چند ایسے امورِ غیبیہ کا ذکر بھی ہے جن تک آج کے دور کی طب اور سائنس کی بھی رسائی نہیں ہے، اور وہ فرشتوں کا ہر پیدا ہونے والے شخص کیلئے چار چیزوں کا لکھنا: اس کا رزق، اس کی عمر، اس کا عمل اور اس کا شقی (بدبخت) یا سعید (نیک بخت) ہونا۔

سائنس اگرچہ ایسے آلات ایجاد کرنے میں کامیاب ہوچکی ہے، جن کی مدد سے شکمِ مادر میں پلنے والے بچے کے احوال وتغیرات منکشف ہوسکتے ہیں، لیکن یہ سائنس جتنی بھی ترقی کرجائے مذکورہ بالا چار چیزوں کی دھول بھی نہیں پاسکتی۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا اس حدیث کے آغاز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو 'صادق مصدوق' کہنا، ان کی ذہانت وفقاہت کی زبردست دلیل ہے، اور مضمونِ حدیث کے عین مطابق ہے۔

«وھو الصادق المصدوق» یہ جملہ، ماقبل جملے (رسول اللہ) کی تاکید ہے کیونکہ جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رسول اللہ مانتا ہے، اسے الصادق المصدوق بھی ماننا پڑے گا، ورنہ اس کا ایمان بالرسول ناقابل قبول ہے، اسی لئے کلمہ « لاالہ الااللہ» کی صحت وقبولیت کی شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ اس کلمے کا نطق اور اقرار واعتراف ایسے صدق کے ساتھ ہو جس میں کذب کی کوئی گنجائش نہ ہو، لہٰذا جو شخص اس کلمہ کا اقرار

کرتا ہے اور اپنے آپ کو مسلمان قرار دیتا ہے اسے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے آمدہ ہر خبر اور فرمان کو سچا جاننا ہوگا۔

﴿قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ ۭ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾ (المائدۃ:۱۱۹)

ترجمہ: ’’اللہ فرمائے گا کہ آج وہ دن ہے کہ سچوں کو ان کی سچائی ہی فائدہ دے گی ان کے لئے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں ابدالآباد ان میں بستے رہیں گے اللہ ان سے خوش ہے اور وہ اللہ سے خوش ہیں یہ بڑی کامیابی ہے۔‘‘

اس حدیث میں انسانی خلقت کے تین اطوار کا ذکر ہے:

(1) نطفہ (2) علقہ (3) مضغہ

نطفہ کے جمع کئے جانے سے مراد یہ ہے کہ آدمی اور عورت کا نطفہ جو متفرق تھا، اسے رحمِ مادر میں جمع کیا جاتا ہے، جس سے انسان کی تخلیق کا آغاز ہوجاتا ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ۝ خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ ۝ يَّخْرُجُ مِنْۢ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ﴾

ترجمہ: ’’تو انسان کو دیکھنا چاہئے کہ وہ کاہے سے پیدا ہوا ہے، وہ اچھلتے ہوئے پانی سے پیدا ہوا ہے، جو (مرد کی) پیٹھ اور (عورت کے) سینے کے بیچ میں سے نکلتا ہے۔‘‘ (الطارق:۵ تا ۷)

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ۝ فَجَعَلْنٰهُ فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۝ اِلٰى قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ۝ فَقَدَرْنَا ڰ فَنِعْمَ الْقٰدِرُوْنَ﴾

ترجمہ: ’’کیا ہم نے تم کو حقیر پانی سے نہیں پیدا کیا؟ اس کو ایک محفوظ جگہ میں رکھا، ایک وقت معین تک، پھر اندازہ مقرر کیا اور ہم کیا ہی خوب اندازہ مقرر کرنے والے ہیں۔‘‘ (المرسلات: ۲۰ تا ۲۳)

واضح ہو کہ اس حدیث میں جو نطفہ کے جمع ہونے کو خلقِ انسان کا پہلا مرحلہ قرار دیا گیا ہے تو اس نطفہ

سے مراد وہ نطفہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ کسی انسان کے پیدا ہونے کا فیصلہ فرمائے، ہر نطفہ خلقِ انسان کی بنیاد نہیں بن سکتا، صحیح مسلم میں رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان منقول ہے: « ما من كل الماء يكون الولد وإذا أراد الله خلق شئ لم يمنعه شئ »[1] یعنی: ''ہر منی سے بچہ نہیں بنتا۔ اور جب اللہ تعالیٰ کسی چیز کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمالیتا ہے تو اسے کوئی چیز نہیں روک سکتی۔'' بلکہ یہ سارا معاملہ اور نظام اللہ تعالیٰ کی مشیئت پر موقوف ہے۔

تخلیق انسان کا دوسرا مرحلہ علقہ ہے، علقہ سے مراد گاڑھا جما ہوا خون، جبکہ تیسرا مرحلہ مضغہ ہے، مضغہ سے مراد گوشت کی بوٹی جو چبائے جانے کے قابل ہو۔

تخلیقِ انسانی کے ان تین مراحل میں سے ہر مرحلہ کی مدت چالیس دن ہے، گویا ان تینوں مراحل کی مجموعی مدت چار مہینے یا 120 دن بنتی ہے۔

قرآن پاک میں جا بجا ان مراحل کا ذکر وارد ہوا ہے:

﴿يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ ۭ وَنُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ مَا نَشَاۗءُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْـــًٔا﴾ (الحج:۵)

ترجمہ: ''لوگو اگر تم کو مرنے کے بعد جی اُٹھنے میں کچھ شک ہو تو ہم نے تم کو (پہلی بار بھی تو) پیدا کیا تھا (یعنی ابتدا میں) مٹی سے پھر اس سے نطفہ بنا کر۔ پھر اس سے خون کا لوتھڑا بنا کر۔ پھر اس سے بوٹی بنا کر جس کی بناوٹ کامل بھی ہوتی ہے اور ناقص بھی تا کہ تم پر (اپنی خالقیت) ظاہر کر دیں۔ اور ہم جس کو چاہتے ہیں ایک میعادِ مقرر تک پیٹ میں ٹھہرائے رکھتے ہیں پھر تم کو بچہ بنا کر نکالتے ہیں۔ پھر تم جوانی کو پہنچتے ہو۔ اور بعض (قبل از پیری مر جاتے ہیں اور بعض شیخ فانی ہو جاتے اور بڑھاپے کی)

---

[1] صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب حکم العزل، حدیث: 3554

نہایت خراب عمر کی طرف لوٹائے جاتے ہیں کہ بہت کچھ جاننے کے بعد بالکل بے علم ہوجاتے ہیں۔''

نیز سورۃ المؤمنون میں فرمایا:

﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ۚ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۠ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ۤ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ۭ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ﴾ (المؤمنون: ۱۲ تا ۱۴)

ترجمہ: ''اور ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصے سے پیدا کیا ہے، پھر اس کو ایک مضبوط (اور محفوظ) جگہ میں نطفہ بنا کر رکھا، پھر نطفے کا لوتھڑا بنایا۔ پھر لوتھڑے کی بوٹی بنائی پھر بوٹی کی ہڈیاں بنائیں پھر ہڈیوں پر گوشت (پوست) چڑھایا۔ پھر اس کو نئی صورت میں بنا دیا۔ تو اللہ جو سب سے بہتر بنانے والا بڑا بابرکت ہے۔''

واضح ہو کہ تخلیقِ انسان کے حوالے سے ان تینوں ادوار واطوار کی خبر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دی، جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی صداقت کی زبردست دلیل ہے۔ کما تقدم

اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ جو کہ پوری کائنات کا خالق ومالک ہے کی قدرت اور حسنِ صنعت کی بھی واضح برہان ہے، وہ اکیلا ہی خالق وباریٔ ہے، جس کا تقاضا یہ ہے کہ اس علم ومعرفت کے بعد، اسی کی عبادت بجالائی جائے اور اس عبادت میں کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے؛ کیونکہ خلق میں کوئی شریک اور سہیم نہیں ہے، بلکہ تخلیق کے مذکورہ مراحل میں سے کسی مرحلے کے کسی حصہ میں بھی کسی کی شراکت شامل نہیں ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝۲۱﴾ (البقرۃ: ۲۱)

ترجمہ: ''لوگو! اپنے پروردگار کی عبات کرو جس نے تم کو اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا تاکہ تم (اس کے عذاب سے) بچو۔''

تخلیقِ انسانی کا اگلا مرحلہ، فرشتہ کی بعثت اور اس کے ذریعہ نفخِ روح کا ہے۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کے مطابق، اس کی طرف ایک فرشتہ بھیجا جاتا ہے، فرشتہ اپنی مرضی سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ

کے بھیجنے سے آتا ہے۔

فرشتہ کا پہلا کام نفخِ روح ہے، یعنی وہ اس گوشت کے لوتھڑے میں روح پھونکتا ہے، جس سے اس مردہ لوتھڑے میں جان پڑ جاتی ہے، اور وہ زندہ ہو جاتا ہے۔

قرآن حکیم میں ہر انسان کی دو زندگیوں اور دو موتوں کا ذکر ملتا ہے، جیسا کہ ایک مقام پر کفار کا قول مذکور ہے: ﴿قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ﴾ (غافر: ۱۱)

ترجمہ: ''وہ کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار تو نے ہم کو دو دفعہ بے جان کیا اور دو دفعہ جان بخشی۔''

پہلی موت سے مراد نفخِ روح سے قبل کا مرحلہ ہے، جبکہ پہلی زندگی نفخِ روح کے بعد شروع ہوتی ہے اور دنیوی زندگی کے خاتمہ تک قائم رہتی ہے۔ دوسری موت دنیوی زندگی کے خاتمے سے لیکر قیامت کے قائم ہونے تک ہے، لیکن یہ موت برزخی حیات کے منافی نہیں ہے؛ کیونکہ برزخی حیات کتاب وسنت سے ثابت ہے۔

دوسری زندگی قیامت کے قائم ہونے سے شروع ہوگی اور یہ دائمی زندگی ہوگی جس کی کوئی انتہاء نہ ہوگی۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾ (البقرہ: ۲۸)

ترجمہ: ''(کافرو!) تم اللہ سے کیوں کر منکر ہو سکتے ہو جس حال میں کہ تم بے جان تھے تو اس نے تم کو جان بخشی پھر وہی تم کو مارتا ہے پھر وہی تم کو زندہ کرے گا پھر تم اسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے۔''

روح پھونکنے کی کیفیت، اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا، چنانچہ اس کیفیت کے تعلق سے کسی بھی قسم کی بحث محض عبث ہوگی، ہمیں صرف اتنا علم دیا گیا ہے کہ فرشتہ گوشت کے لوتھڑے میں پھونک مارتا ہے جسے وہ جسم قبول کر لیتا ہے اور زندہ ہو جاتا ہے۔

اس طرح انسان موت یا عدم سے زندگی یا وجود کی طرف منتقل ہو جاتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روح کی بابت سوال کیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا کہ ان سوال کرنے والوں کو

صرف یہ بتادو: ﴿وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ۭ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا﴾

ترجمہ: ''اور تم سے روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ کہہ دو کہ وہ میرے پروردگار کی ایک شان ہے اور تم لوگوں کو (بہت ہی) کم علم دیا گیا ہے۔'' (الاسراء:۸۵)

ثابت ہوا کہ روح اللہ تعالیٰ کے امر یعنی شان سے ہے اور اللہ تعالیٰ ہی اس کا خالق ہے، فرمانِ باری تعالیٰ: ﴿وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا﴾ سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ انسانوں کو روح کے بارے میں بہت کم علم دیا گیا ہے، بلکہ اس فرمان میں کسی حد تک ڈانٹ ڈپٹ کا پہلو بھی ہے کہ تمہارے استفسار کیلئے صرف روح ہی باقی رہ گئی ہے؟ باقی تمام مسائل تم جان چکے ہو؟

روح کے تعلق سے اللہ تعالیٰ کے علم اور انسان کے علم میں فرق موسیٰ اور خضر علیہما السلام کے قصہ سے بخوبی واضح ہوتا ہے، جب ان دونوں ہستیوں کے سامنے ایک پرندہ نے اپنی چونچ سے سمندر کا پانی پیا تو خضر علیہ السلام نے فرمایا تھا: «مانقص علمی وعلمک من علم اللہ إلا کما نقص ھذا العصفور بمنقارہ من البحر»[1]

یعنی: ''میرے اور تمہارے (اور تمام مخلوقات) کے علم نے اللہ تعالیٰ کے علم سے اتنا ہی حصہ کم کیا ہے جتنا اس پرندے کی چونچ میں موجود پانی نے سمندر سے۔'' گویا کوئی کمی پیدا نہیں کی۔

قرآن وحدیث سے تمام مخلوقات کی ارواح کے پہلے سے پیدا کئے جانے کا علم ملتا ہے، چنانچہ تمام روحیں عالم ارواح میں موجود ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے فرمان: «الأرواح جنود مجندة ... الحدیث»[2] میں یہ حقیقت واضح فرمادی کہ انسانوں کی روحیں، پیدا ہو کر عالم ارواح میں رکھی جا چکی ہیں جو کہ بیرکوں میں موجود فوجیوں کی مانند ہیں، جس طرح بیرکوں سے فوجی کسی مہم کی ادائیگی کیلئے روانہ ہوتے ہیں اور دوسرے فوجی کوئی مہم ادا کر کے واپس لوٹتے ہیں، اسی طرح فوت شدہ لوگوں کی روحیں واپس

---

[1] صحیح البخاری ،کتاب الاحادیث الأنبیاء،باب حدیث الخضر مع موسیٰ علیہما السلام،حدیث:3400

[2] صحیح البخاری ،کتاب الاحادیث الأنبیاء،باب الارواح جنود مجنّدة ،حدیث:3336

لوٹتی ہیں اور نئے پیدا ہونے والوں کی وہاں سے روانہ ہوتی ہیں۔

معتزلہ ایک گمراہ فرقہ، جس کی بناء عقل پر ہے اور وہ خودساختہ عقلی حقائق کو وحی الٰہی سے مقدم قرار دیتے ہیں، خلقِ ارواح کے نصوص کے منکر ہیں، ان کا کہنا ہے کہ روح جسم میں مستقر ہوتی ہے، لہذا جسم کی تخلیق سے پہلے روح کیسے پیدا ہوسکتی ہے؟ وہ کہاں استقرار کرے گی؟

ہم کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہر فرمان اور ہر خبر پر کسی شک وشبہ اور اعتراض کے بغیر ایمان لاتے ہیں، اللہ تعالیٰ جو روحوں کا خالق ہے، انہیں اجسام کے بغیر رکھنے پر قادر ہے، نیز مقررہ وقت پر ہر روح کو اس کے جسم میں منتقل کرنے پر بھی۔

﴿إِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾

ماں کے پیٹ میں بننے والا بچہ، مذکر ہوگا یا مونث، یہ اللہ تعالیٰ کے علم غیب میں سے ہے، لیکن نفخِ روح کے بعد فرشتے کو علم ہوجاتا ہے کہ یہ لڑکا ہے یا لڑکی، لہٰذا اب یہ علم غیب نہ رہا، لہٰذا اب سائنسی ایجادات کے ذریعہ اس بچے کے لڑکا یا لڑکی ہونے کا علم حاصل کیا جاسکتا ہے، لیکن نفخِ روح سے قبل نہ تو کسی فرشتے کو علم ہو سکتا ہے اور نہ ہی سائنسی آلات کی رسائی ممکن ہے کہ وہ اس کے مذکر یا مونث ہونے کا ادراک کرسکیں۔

نفخِ روح کے موقعہ پر اللہ تعالیٰ فرشتے کو چار باتوں کا حکم ارشاد فرماتا ہے، جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

1 فرشتہ کو اس کا رزق لکھنے کا حکم دیا جاتا ہے، رزق سے مراد ہر وہ چیز ہے جس سے انسان انتفاع کرتا ہے، رزق کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ چیزیں جو انسان کے بدن کو قائم رکھتی ہیں، مثلاً: کھانا، پینا، لباس، گھر اور سواری وغیرہ، دوسرے وہ امور جو انسان کے دین کو قائم رکھتے ہیں، مثلاً: علم وایمان وغیرہ۔

حدیث میں رزق سے مراد دونوں امور ہیں۔

جس انسان کا جو رزق مقدر ہے اسے حاصل کئے بغیر اس کی موت واقع نہیں ہوسکتی، سنن ابن ماجہ میں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی مذکور ہے:« فَإِنَّ نَفْسًا لَنْ تَمُوتَ حَتَّى تَسْتَوْفِيَ رِزْقَهَا»[1]
یعنی: کوئی ’’نفس اس وقت تک مر ہی نہیں سکتا جب تک اپنا لکھا ہوا پورا رزق حاصل نہ کر لے۔‘‘

2 فرشتہ کو اس انسان کے اَجل یعنی دنیا میں مدتِ بقاء لکھنے کا حکم دیا جاتا ہے، مدتِ بقاء یا عمر کے تعلق سے انسانوں میں یکسانیت یا برابری نہیں رکھی گئی، بلکہ اس تعلق سے انسانوں میں بڑا تفاوت وتباین ہے، کچھ لوگ تو ولادت کے وقت ہی مر جاتے ہیں اور کچھ کو مختصر اور کچھ کو طویل زندگی دی جاتی ہے۔

سابقہ امتوں کی عمریں بہت لمبی ہوا کرتی تھیں، جیسا کہ نوح علیہ السلام کا اپنی قوم میں 950 سال رہنے کا ذکر خود قرآن میں موجود ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث کے مطابق اس امت کی عمریں 60 اور 70 سال کے مابین ہیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ 70 کے عدد کو کم لوگ عبور کر سکیں گے۔[2]

واضح ہو کہ عمروں کا چھوٹا، بڑا ہونا کسی انسان کے اختیار میں نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کے امر اور مشیئت سے ہے، نہ ہی عمروں کا فیصلہ کسی انسان کی ظاہری صحت یا مرض سے کیا جا سکتا ہے، کتنے ہی مریض سالہا سال بسترِ مرگ پر ایڑھیاں رگڑتے رہ جاتے ہیں اور کتنے ہی صحتمند لوگ اچانک کسی حادثہ کی نذر ہو جاتے ہیں، لہٰذا تمام آجال کی تقدیر صرف اللہ رب العزت کے ہاتھ میں ہے، جب اللہ تعالیٰ کا امر آجائے گا تو ایک لحظہ کی تاخیر کے بغیر موت واقع ہو جائے گی، جبکہ اللہ تعالیٰ کے امر سے ایک لحظہ کی تقدیم بھی ممکن نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿وَلِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ ۖ فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً ۖ وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ﴾
ترجمہ: ’’اور ہر ایک گروہ کے لیے (موت کا) ایک وقت مقرر ہے۔ جب وہ آجاتا ہے تو نہ تو ایک گھڑی دیر کر سکتے ہیں نہ جلدی۔‘‘ (الاعراف: ۳۴)

3 فرشتہ کو اس انسان کا عمل، جو وہ زندگی بھر کرتا رہے گا، لکھنے کا حکم دیا جاتا ہے، عمل سے مراد ہر قسم کا

---

[1] سنن ابن ماجه، كتاب التجارات، باب الاقتصاد في طلب المعيشة، حديث: 2144

[2] جامع الترمذی، 233، كتاب الزهد عن رسول الله ﷺ، باب ماجاء في فناء اعمارهذه الامة مابين ستين الى سبعين

عمل ہے، خواہ قولی ہو، عملی ہو یا قلبی۔

4 چوتھی چیز جسے لکھنے کا فرشتہ کو حکم دیا جاتا ہے وہ بندے کا سعید یعنی نیک بخت ہونا یا شقی یعنی بد بخت ہونا ہے، سعید وہ ہے جس کیلئے اسبابِ سعادت وسرور کی تکمیل ہو جائے، جبکہ شقی انسان کا معاملہ اس سے برعکس ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تیسری چیز یعنی عمل میں سعادت یا شقاوت دونوں چیزیں آسکتی ہیں، چنانچہ اگر اس کیلئے اعمالِ صالحہ لکھے جاتے ہیں تو یہ موجب سعادت ہے اور اگر اعمالِ سیئہ لکھے جاتے ہیں تو شقاوت کا باعث ہیں؟

جواب یہ ہے کہ سعادت یا شقاوت کا تعلق انسان کے خاتمہ سے ہے، بعض اوقات ایک شخص زندگی بھر عملِ صالح اختیار کئے رہتا ہے لیکن عین خاتمہ کے وقت کسی معصیت کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے، اور جہنم کا مستحق قرار پاتا ہے، یہی اس کی شقاوت ہے، جبکہ بعض اوقات اعمالِ سیئہ کا مرتکب انسان، موت کے وقت توبہ یا عملِ صالح کی توفیق دے دیا جاتا ہے، اسی پر اس کا خاتمہ ہو جاتا ہے، اور وہ جنت کا مستحق ٹھہرتا ہے۔

گویا ہر انسان کے شقی یا سعید ہونے کا فیصلہ اس کی موت کے وقت ہوتا ہے، اس تعلق سے انسانوں کے چار احوال ہیں:

1 کچھ وہ لوگ ہیں جن کا آغاز عملِ صالح سے ہوتا ہے اور عملِ صالح پر ہی انجام ہو جاتا ہے، ان لوگوں کا تعلق اہل سعادت سے ہے۔

2 کچھ وہ لوگ ہیں جن کا آغاز اور انجام دونوں برے عمل پر ہوتا ہے، یہ انسان سراسر شقی ہیں۔

3 کچھ وہ لوگ ہیں جن کا آغاز برے اعمال سے ہوتا ہے، لیکن آگے چل کر توبہ کی توفیق دے دیئے جاتے ہیں، چنانچہ وہ عملِ صالح اختیار کر لیتے ہیں اور اسی پر ان کا انجام قائم ہو جاتا ہے، ان کا تعلق بھی اہل سعادت سے ہے۔

4 کچھ وہ لوگ ہیں جن کا آغازِ اُمر،عملِ صالح پر قائم ہوتا ہے،لیکن آگے چل کر بگڑ جاتے ہیں یا مرتد ہوجاتے ہیں اوراسی ارتداد پران کی موت واقع ہوجاتی ہے،(والعیاذ باللہ)ان کا تعلق اہل شقاوت سے ہے۔

آخری دونوں حالتوں کا ذکر حدیث الباب میں موجود ہے،جس کی مزید وضاحت کیلئے دومثالیں پیش خدمت ہیں:

1 ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک جنگ میں شریک تھا،بڑی دادِ شجاعت دے رہا تھا،کوئی دشمن تنہا ملتا تو اسے ٹھکانے لگا دیتا،جہاں دشمنوں کا کوئی جتھہ دیکھتا تو ان میں داخل ہوکرانہیں گاجرمولی کی طرح کاٹ دیتا تھا،صحابہ کرام نے اس کی اس بہادری پر تعجب کا اظہار کیا،کچھ نے یہاں تک کہہ دیا کہ ایسی شجاعت ہم نے کبھی نہیں دیکھی،مگر ناطقِ وحی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشادفرمایا:«هو من هل النار» یہ شخص تو جہنمی ہے۔

صحابہ کرام پر یہ بات بڑی گراں گزری،بھلا یہ بہادر انسان کیسے جہنمی ہوسکتا ہے؟ایک شخص اس کے تعاقب میں نکل گیا،اب یہ بہادر انسان دشمن کا ایک تیر کھا کر بڑی تکلیف محسوس کرنے لگا،جب تک تکلیف برداشت سے باہر ہوگئی تو اپنی تلوار نکالی،اس کا دستہ زمین سے ٹیک دیا اوراس کی نوک پراس قدر جھول گیا کہ تلوار کمر سے باہر نکل گئی اور یوں خودکشی کر بیٹھا۔(والعیاذ باللہ)

یہ شخص سیدھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اورعرض کیا:«أشهد أنک رسول الله» میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:اس وقت یہ گواہی کیوں دے رہے ہو؟اس شخص نے اس بہادر انسان کا پورا واقعہ بیان کردیا،تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:«إن الرجل ليعمل بعمل أهل الجنة فيما يبدو للناس وهو من أهل النار»[1]

یعنی:''ایک شخص بظاہر جنت والے کام کرتا ہے لیکن درحقیقت وہ جہنمی ہوتا ہے۔''

2 انصار کے قبیلے بنوعبدالاشہل میں اصیرم نامی ایک شخص دین اسلام کو مسلسل ٹھکراتا رہتا تھا بلکہ

[1] صحيح البخاري،كتاب المغازي،باب غزوة خيبر ،حديث:4207

عداوت کا اظہار کیا کرتا تھا، جب صحابہ کرام جنگ احد کیلئے نکلے تو اللہ تعالیٰ نے اس کے دل میں ایمان کی شمع روشن فرمادی، اس نے اسلام قبول کرلیا جس کا کسی کو علم نہ ہوا، یہ شخص جنگ احد میں شہید ہوگیا۔

معرکۂ احد کے بعد صحابہ کرام شہداء احد کا تفقد کرنے نکلے تو اسے بھی شدید زخمی حالت میں پایا، اس سے پوچھا: تم یہاں کیونکر آئے؟ کیا اپنی قوم کی غیرت وحمایت میں؟ یا اسلام کی رغبت و چاہت میں؟

اس نے جواب دیا: اسلام کی رغبت و چاہت میں۔

پھر اس نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو میرا اسلام پہنچا دینا، پھر اس کا انتقال ہوگیا۔[1]

اس شخص نے عمر بھر دین سے دشمنی قائم رکھی لیکن موت سے قبل اللہ تعالیٰ نے اس کے دل کی کایا پلٹ دی اور شہادت کے مرتبہ پر فائز کردیا۔

فرعون کے جادگروں کی مثال بھی دی جاسکتی ہے، جن کی پوری عمر کفر اور سحر میں گزری، لیکن خاتمہ سے قبل انہیں رب موسیٰ وہارون پر ایمان لانے کی توفیق مرحمت فرمادی گئی۔

اس کی ایک اور مثال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں ایک یہودی کے بیٹے سے دی جاسکتی ہے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کیا کرتا تھا، اچانک بیمار پڑگیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی تیمارداری کیلئے تشریف لے گئے، اسے مرض الموت میں پایا، اس پر اسلام کی دعوت پیش کی، جسے اس نے قبول کرلیا اور انتقال کرگیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے گھر سے باہر تشریف لائے اور فرمایا: «الحمدللہ الذی أنقذہ من النار»[2] تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے، جس نے اسے جہنم سے نجات دے دی۔

قرآن حکیم نے شقی اور سعید دونوں قسم کے انسانوں کا تذکرہ فرمایا ہے:

﴿يَوْمَ يَأْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ إِلَّا بِإِذْنِهِ ۚ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَسَعِيدٌ ۝١٠٥ فَأَمَّا الَّذِينَ شَقُوا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيهَا زَفِيرٌ وَشَهِيقٌ ۝١٠٦ خَالِدِينَ فِيهَا مَا دَامَتِ السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ ۚ إِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ

[1] سنن ابي داؤد، كتاب الجهاد، باب فيمن يسلم ويقتل في مكانه في سبيل الله عزوجل، حديث: 2537

[2] صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب اذا سلم الصبي فمات هل يصلى عليه؟ 1356

لِّمَا يُرِيدُ ﴿١٠٧﴾ وَأَمَّا الَّذِينَ سُعِدُوا فَفِي الْجَنَّةِ خَالِدِينَ فِيهَا مَا دَامَتِ السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ عَطَاءً غَيْرَ مَجْذُوذٍ ﴾ (ھود:۱۰۵ تا ۱۰۸)

ترجمہ: ''جس روز وہ آجائے گا تو کوئی متنفس اللہ کے حکم کے بغیر بول بھی نہیں سکے گا۔ پھر ان میں سے کچھ بد بخت ہوں گے اور کچھ نیک بخت، تو جو بد بخت ہوں گے وہ دوزخ میں (ڈال دیئے جائیں گے) اس میں ان کا چلانا اور دھاڑنا ہوگا، (اور) جب تک آسمان اور زمین ہیں، اسی میں رہیں گے مگر جتنا تمہارا پروردگار چاہے۔ بے شک تمہارا پروردگار جو چاہتا ہے کر دیتا ہے۔ اور جو نیک بخت ہوں گے وہ بہشت میں داخل کئے جائیں گے (اور) جب تک آسمان اور زمین ہیں ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔ مگر جتنا تمہارا پروردگار چاہے۔ یہ (اللہ کی) بخشش ہے جو کبھی منقطع نہیں ہوگی۔''

واضح ہو کہ ہر انسان اپنے لئے سعادت یا شقاوت کا راستہ اپنی مرضی اور اختیار سے چنتا ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ اللہ تعالیٰ کی مشیئت اور ارادہ سے خارج نہیں ہے، لہٰذا ہر شخص مخیَّر بھی ہے اور مسیَّر بھی، مخیّر سے مراد یہ کہ وہ نیک یا بد راستہ چننے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزادی اور اختیار دیا گیا ہے، اور مسیّر سے مراد یہ ہے کہ وہ جو راستہ چنتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی مشیئت کے مطابق ہوتا ہے، کوئی انسان ایسا راستہ اختیار کر ہی نہیں سکتا جو اللہ تعالیٰ کی مشیئتکے خلاف ہو۔

جب سعادت یا شقاوت کا تعلق انسان کے خاتمہ سے ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان بھی ہے: «إنما الأعمال بالخواتيم» تو پھر ہر شخص کو چاہئے کہ وہ ہمیشہ خوف اور رجاء دونوں کیفیتوں کے ساتھ رہے۔ شقاوت پہ مبنی خاتمہ کا مسلسل خوف اس کے دل میں موجود رہے اور اللہ تعالیٰ سے ایسے انجام کی پناہ مانگتا رہے، اسی طرح سعادت پر مبنی خاتمہ کی حرص و رغبت، ہمیشہ اس کے دل میں موجود رہے اور اللہ تعالیٰ سے اس حسنِ خاتمہ کی دعا کرتا رہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکثر یہ دعا مانگا کرتے تھے:

«یامقلب القلوب ثبت قلبی علی دینک»

''اے دلوں کے پھیرنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر ثابت قدمی عطا فرما۔''

جب ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس بابت استفسار کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«إن القلوب بين إصبعين من أصابع الرحمن يقلبها كيف يشاء»[1]

یعنی: ''تمام انسانوں کے دل اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے بیچ میں ہیں، اللہ تعالیٰ جیسے چاہے ان دلوں کو پھیر دے۔''

اس حدیث کا ایک اہم ترین درس یہ ہے کہ زندگی میں انسان کے ظاہری اعمال پر قطعاً حکم نہ لگایا جائے، کیونکہ ہر انسان کی سعادت یا شقاوت اس کے خاتمہ پر قائم ہے، لہٰذا ایک برائی میں لتھڑے ہوئے انسان کیلئے ممکن ہے کہ اس کا خاتمہ توبہ اور عمل صالح پر ہو جائے، اور آپ اسے برا ہی کہتے رہیں، یہ آپ کیلئے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا موجب ہوگا، لہٰذا ایسا حکم لگانے سے یکسر گریز کیا جائے جس کی زد میں خود آنے کا اندیشہ ہو۔ (واللہ المستعان)

[1] صحیح الترمذی، کتاب القدر، باب ماجاء ان القلوب بین اصبعی الرحمن، حدیث:2140

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی کثرت مرویات پر ایک جائزہ

ڈاکٹر ابراہیم خلیل عبدالرحیم یوگوی [1]

قبیلہ دوس کے درخشندہ ستارے عبدالرحمن بن صخر الدوسی المعروف ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سیدنا الطفیل بن عمرو الدوسی کی دعوت پر عہد مکی ہی میں مشرف بہ اسلام ہوئے، سنہ 6 صدی ہجری میں غزوہ خیبر کی موقع پر ہجرت کر کے محرم کے آخر اور صفر کے شروعات میں سید الکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت کا شرف حاصل کیا، اور آپ تا حیات خیر الوری صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت میں رہے، آپ رضی اللہ عنہ کا ہجرت کے بعد شغل وشاغل ہی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث رہا، دین سے متعلق سوال کرتے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو فرماتے اسے بغور سنتے پھر اسے یاد کرتے، رات انہی احادیث کو دہراتے، صفہ کے دوسرے اصحاب سے ان احادیث کا مذاکرہ کرتے، ہجرت سے پہلے والے واقعات کو مہاجرین اول سے پوچھ پوچھ کر ذہن نشین کرتے، اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سب سے زیادہ روایت کرنے کا شرف آپ کو حاصل ہوا، اور حافظ الصحابۃ کے لقب کے حقدار ٹھہرے۔

آپ رضی اللہ عنہ کی مرویات دشمنان اسلام اور اہل بدعت کے دلوں میں کانٹوں کی طرح چبھتی رہیں،

---

[1] فاضل مدینہ یونیورسٹی، مدینہ منورہ

دوسری صدی ہجری کے اواخر میں ابراہیم بن سیار ابواسحاق النظام نامی معتزلی عقائد کا حامل ایک شخص نکلا جس نے جہاں اللہ تعالی کی قدرت وقوت پر سوال اٹھائے وہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کا بھی سرے سے انکار کیا، ابوبکر الصدیق عمر الفاروق عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہم کو تنقید کا نشانہ بنایا اور سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی کثرت حدیث پر بھی انگلی اٹھائی، اس کی پیروی کرتے ہوئے بعد میں آنے والے ہر مبتدع نے جہاں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث اس کے نظریات اور خیالات کی تائید نہ کرتی ہو وہاں سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ پر اعتراضات کی برسات کردی۔

ان مبتدعین کے اعتراضات کو بنیاد بنا کر پچھلی صدی عیسوی میں آنے والے مستشرقین نے اسے مزید بڑھاوا دیا، غلط بیانی، اور حقائق پر پردہ ڈال کر سنت رسول خصوصاً ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ذات اور ان کی مرویات اعتراضات کیے، جن میں مشہور مستشرق گولڈ زیہر Goldziher ـ1921م)، کارل بروکلمان (1956 carl brockelmann م) وون کریمر (von kremer ـ 1889م) سپرنگر (springer ـ 1893م) شامل ہیں۔

ان مستشرقین سے متاثر ہو کر بعض عربی ادب سے شغف رکھنے والے مسلمانوں نے نئی تحقیق کے نام پر مستشرقین کی اس مکروہ مہم کو آگے بڑھا کر ایک سیاہ تاریخ رقم کی۔ جن میں طہٰ حسین، احمد امین، عبدالحسین شرف الدین العاملی، محمود أبوریۃ شامل ہیں۔ مؤخر الذکر دونوں نے طعن وتشنیع میں مستشرقین کو بھی پیچھے چھوڑا عبدالحسین شرف الدین العاملی نے (ابوہریرہ) نامی کتاب تصنیف کی، جس میں سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی شخصی زندگی ان کی فقروفاقہ اور ان کی مرویات پر طعن کی۔

جبکہ محمود ابوریۃ نے «اضواء على السنة المحمدية » کے نام سے کتاب لکھی، جس کا اکثر مادہ علمیہ مستشرقین کی کتابوں سے اخذ کیا جیسے «العقيدة والشريعة في الإسلام» گولڈ زیہر، «تاريخ التمدن الإسلامي » جرجی زیدان «الحضارة الإسلامية» وون کریمر وغیرہ، اور عبدالحسین العاملی کی کتاب کو قبلہ کی

حیثیت دی ہے۔

ان پر علماء نے دندان شکن جواب دیئے جن میں ذہبی العصر علامہ المعلمی رحمہ اللہ نے (الأنوار الكاشفة لما في كتاب أضواء على السنة من الزلل والتضليل والمجازفة) اور علامہ محمد عبدالرزاق حمزۃ رحمہ اللہ نے (ظلمات أبي رية أمام أضواء السنة المحمدية) ملک شام کے عظیم عالم دین مصطفی السباعی نے (السنة ومكانتها في التشريع الاسلامى) تصنیف کی، اوران کے مجازفات کا ایک ایک کر کے جواب دیا جزاهم الله عن الأمة الاسلامية خير الجزاء وأسكنهم فسيح جناته۔

ان پر مزید کچھ لکھنا تحصیل الحاصل ہی ہے، لیکن مجھے اس پر لکھنے کی ضرورت اس لئے محسوس ہوئی کہ عصری تعلیمی اداروں سے وابستہ کئی ایک ساتھیوں نے یہ سوال کیا، کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے خیبر کے موقع پر سنہ 6 ہجری میں اسلام قبول کیا جبکہ مرویات ان کی سب سے زیادہ ہیں؟

اور ایک دفعہ مسجد نبوی کے صحن میں کوہ ہمالیہ کے دامن سے تشریف لانے والے ایک زائر سے ملاقات ہوئی پیشہ کے اعتبار سے بنکار تھے، البتہ اسلامی تاریخ اور سیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دلچسپی رکھتے تھے، آپس میں تعارف کے بعد پہلا سوال یہ داغ دیا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے دیر سے اسلام قبول کیا اس کے باوجود ان سے بہت ساری احادیث کیوں مروی ہیں؟

میں نے پوچھا بہت زیادہ کتنی ہیں؟ کہنے لگا بہت زیادہ سننے میں آیا ہے لیکن تعداد کا نہیں پتہ، ان کی باتوں سے اندازہ ہوا کہ فتنہ پرور لوگ عصری تعلیمی اداروں میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت مبارکہ اور سیرت پر پرانے شبہات کو نئے رنگ میں پیش کررہے ہیں جن سے نسل نو متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتی۔

اب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ مکرر احادیث کو شمار کر کے کل کتنی حدیثیں مروی ہیں؟ اور مکرر کو منہا کر کے صرف متون کے اعتبار سے کتنی روایات بنتی ہیں؟

اور آخر میں یہ دیکھنا ہے کہ ان احادیث کی تعداد کتنی ہے جو سارے صحابہ کرام میں سے صرف اور صرف

سیدنا ابوہریر رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں، اوران احادیث کو سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت کے ایام پر تقسیم کرنے سے روز کے اعتبار سے کتنی حدیثیں بنتی ہیں زیر نظر تحریر میں اس پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہیں۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی احادیث کی تعداد

ابن الجوزی نے﴿تلقيح فهوم أهل الأثر في عيون التاريخ والسير﴾میں (باب عدد الاحاديث المروية عن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم)کے تحت ذکر کیا ہے کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مسند بقی بن مخلد میں (5374) احادیث مروی ہیں، مسند بقی بن مخلد ذخیرہ حدیث کی سب سے بڑی کتاب سمجھی جاتی ہے، جس میں(1300) سے کچھ زیادہ صحابہ کرام کی مرویات کو جمع کیا گیا ہے، اور ہر صحابی کی احادیث کو ابواب فقہ کے اعتبار سے ترتیب دیا گیا ہے، اور یہ عظیم کتاب تاحال مفقود ہے۔

اور ذخیرہ حدیث کی موجودہ سب سے بڑی کتاب (مسند احمد بن حنبل) میں اسانید اور طرق کے اعتبار سے سیدنا ابوہریرہ سے(3833)احادیث مروی ہیں۔

اگر دونوں کتابوں کا موازنہ کیا جائے تو ہر دو کتاب میں سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرویات میں فرق (1541)احادیث کا بنتا ہے۔

اور مسند احمد میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرویات میں سے مکرر احادیث کو منہا کریں تو مشہور محقق شیخ احمد شاکر کے مطابق کل ان کی مرویات کی تعداد(1579)بنتی ہے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ ساری احادیث جو ابن الجوزی نے ذکر کی ہیں کہاں ہیں؟ کیا یہ ممکن ہے کہ امام احمد بن حنبل سے یہ ساری احادیث چھوٹ گئی ہیں؟

شیخ احمد شاکر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''میرے خیال میں ایسا نہیں بلکہ ابن الجوزی نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی کل مرویات کا ذکر کیا ہے جس میں مکرر احادیث بھی شامل ہیں۔ یعنی ایک حدیث اگر کئی سند سے مروی ہے تو اسی ایک حدیث کو کئی روایات شمار کیا ہے۔ اس طرح اگر ایک حدیث کے ایک حصے کو ایک جگہ پر اور دوسرے

حصے کو دوسری جگہ پر ذکر کیا ہو تو اسے بھی دو حدیث شمار کیا ہے۔“

مثلا سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث:« من حج فلم يرفث ولم يفسق، رجع كهيئة يوم ولدته أمه» مسند احمد میں پانچ جگہوں پر مختلف اسناد سے آئی ہے اور ہر جگہ پر ایک مستقل حدیث شمار کی گئی ہے پہلی جگہ حدیث نمبر(7136) پر، دوسری جگہ حدیث نمبر(9311) پر، تیسری جگہ حدیث نمبر(9312) پر، اور چوتھی جگہ حدیث نمبر(10274)، اور پانچویں جگہ حدیث نمبر(10409) پر۔

اسی طرح صحیح بخاری میں ثمامہ بن اثال کی قید کے متعلق سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو امام بخاری نے دو جگہوں پر ذکر کیا ہے پہلی جگہ(462) میں حدیث کا پہلا حصہ «بعث رسول الله صلى الله عليه وسلم خيلا قبل نجد، فجاءت برجل من بني حنيفة يقال له ثمامة بن اثال، فربطوه بسارية من سواري المسجد»۔ اور دوسری جگہ(2422) میں حدیث کا دوسرا حصہ «ما عندك يا ثمامة؟ قال عندي يا محمد خير -فذكر الحديث- اطلقوا ثمامة» اور ہر دو جگہوں پر الگ الگ حدیث شمار ہوئی ہے۔

اور امام احمد رحمہ اللہ سے اتنی ساری احادیث کیسے چھوٹ سکتی ہیں، وہ خود اپنی مسند کے متعلق فرماتے ہیں: ”میں نے اس کتاب کو سات لاکھ پچاس ہزار احادیث سے چھان بین کر کے جمع کیا ہے۔کسی حدیث کے متعلق مسلمانوں کا اختلاف ہو تو اس کتاب کی طرف رجوع کرو، اگر اس کتاب میں ملے تو ٹھیک ورنہ وہ حدیث قابل حجت نہیں۔“[1]

امام احمد کے اس قول سے مراد غالب اکثریت احادیث ہیں، ورنہ صحیحین اور سنن اربعہ میں بعض ایسی حدیثیں پائی جاتی ہیں جو مسند امام احمد میں نہیں ہیں۔

اور ایک بات قابل ذکر ہے کہ مسند بقی بن مخلد ہم تک نہیں پہنچی لیکن امام ابن الجوزی نے ان احادیث کی تعداد بیان کی ہے ابن الجوزی کے مطابق مسند بقی کی کل تعداد(31064) حدیثیں ہیں، اور اس میں

[1] خصائص المسند لأبي موسى المديني(ص21،ص22)

بعض صحابہ کرام کی احادیث مسند احمد میں انہی صحابہ کرام کی احادیث سے کم ہیں۔

مثلا مسند بقی میں سیدنا عبد اللہ بن عباس کی احادیث (1660) ہیں، جبکہ مسند احمد میں (1696) حدیثیں ہیں۔

مسند بقی میں سیدنا عبداللہ بن مسعود کی مرویات (848) ہیں جبکہ مسند احمد میں (892) ہیں، اسی طرح کئی اور صحابہ کرام کی مرویات مسند احمد میں زیادہ ہیں اور مسند بقی میں کم۔

یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ امام احمد سے بہت ساری احادیث چھوٹی نہیں، بلکہ مسند بقی میں اسانید کی تعداد مسند احمد کے مقابلہ میں زیادہ ہے، مسند بقی میں ابن الجوزی کی گنتی کے مطابق کل مرویات اسانید کے اعتبار سے (31064) ہیں جبکہ مسند احمد میں ڈاکٹر عبدالمحسن الترکی کے طبع کے مطابق (27647) ہیں، اور خود ابن الجوزی نے دعوی کیا ہے کہ مسند احمد میں کل احادیث کی تعداد (40000) ہے۔

اب ہم ایک اور حدیث کے ذخیرہ کی طرف آتے ہیں جس میں اکیس (21) کتب حدیث کو جمع کیا گیا ہے، اس میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی احادیث کی تعداد جانتے ہیں۔ ڈاکٹر بشار عواد اور ان کے رفقا نے "المسند الجامع" کے نام سے ایک کتاب ترتیب دی جس میں 21 کتابوں کی احادیث کو جمع کیا۔ جس میں (مؤطا مالک، مسند الحمیدی، مسند احمد، مسند عبد بن حمید، سنن الدارمی، کتب ستہ، الادب المفرد، جزء رفع الیدین، جزء القراءة، خلق افعال العباد، شمائل الترمذی، زوائد عبداللہ بن احمد علی مسند ابیہ، عمل الیوم واللیلة، فضائل القرآن للنسائی، فضائل الصحابة للنسائي، صحیح ابن خزیمہ) شامل ہیں۔

اس کتاب میں سیدنا ابو ہریرہ کی مرویات مکرر احادیث کو شمار کر کے (2740) حدیثیں بنتی ہیں، جبکہ ڈاکٹر ضیا الرحمن کے مطابق مکررات کو حذف کر کے متن اور مفہوم کے اعتبار سے (1580) حدیثیں ہیں۔

ذخیرہ حدیث کا ایک اور مجموعہ جس میں بعض وہ کتب ہیں جو المسند الجامع میں نہیں، امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے (جامع المسانید والسنن) میں کتب ستہ، مسند احمد، مسند البزار، مسند أبي یعلی، المعجم الکبیر للطبرانی کی

احادیث کو جمع کیا، ان کتب کے علاوہ باب کی مناسبت کا خیال رکھتے ہوئے دوسری کتب حدیث سے بھی احادیث ذکر کی ہیں، اس جامع کتاب میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی کل مرویات بشمول مکررات (3745) ہیں۔

اگر ان سے مکررات کو منہا کر دیا جائے تو کل مرویات سولہ ساڑھے سولہ سو سے تجاوز نہیں کریں گی۔

ڈاکٹر ضیاء الرحمن الاعظمی نے اپنے ایم فل کے مقالہ «ابو هريره في ضوء مروياته بشواهدها وحال انفرادها» میں کتب ستہ (بخاری مسلم ابوداؤد ترمذی ابن ماجہ النسائی) اور مسند احمد سے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی احادیث کو جمع کیا تو مفہوم حدیث اور متون کے اعتبار سے ان کی کل مرویات پندرہ سو (1500) سے زیادہ نہیں، جبکہ مسند احمد میں اسانید اور طرق کے اعتبار سے (3833) روایات سیدنا ابو ہریرہ سے مروی ہیں۔

اور ان پندرہ سو میں سے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی منفردات (وہ احادیث جو صرف ان ہی سے مروی ہیں) صحیح اور ضعیف کو ملا کر (300) سے زیادہ نہیں بنتی ہے [1]۔

لیکن یہ آخری نتیجہ نہیں، ان کتب کے علاوہ دوسری کتب حدیث: مستخرج أبي عوانه، مستخرج ابي نعيم، مصنف عبدالرزاق، مصنف ابن ابی شیبه، السنن الكبرى للنسائي، سنن الدارقطنی، مستدرک حاکم، السنن الكبرى شعب الايمان للبيهقي، طبرانی کے معاجم ثلاثه، اور دوسرے اجزاء حدیث، اور ذخیروں میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی زائد احادیث جمع کرنے کی ضرورت ہے۔

پھر ان سے موضوع روایات کو نکال کر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مفہوم حدیث اور متن کے اعتبار سے انکی کل مرویات کتنی ہیں یہ معلوم کرنا ہوگا۔

اس طویل اور مشقت طلب عمل کے بعد یہ کہہ سکتے ہیں کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی کل مرویات کتنی ہیں۔

ہاں یہ بات وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ مسند احمد اور کتب ستہ میں احکام کی غالب اکثریت احادیث موجود ہیں امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند کے متعلق کہا تھا: « هذا الكتاب جمعته وانتقيته من أكثر من

---

[1] ابو هريرة في ضوء مروياته (ص 68)

سبعمائة ألف حديث وخمسين ألفاً، فما اختلف فيه المسلمون من حديث رسول الله ﷺ فارجعوا إليه، فإن وجدتموه وإلا فليس بحجة»[1] ۔

اس کتاب کو میں نے (750000) احادیث سے چھان بین کر کے جمع کیا ہے جس حدیث کے متعلق مسلمانوں کا اختلاف ہو اس کتاب میں دیکھ لو وہ حدیث اس کتاب میں ملی تو ٹھیک ورنہ وہ حدیث حجت نہیں۔

جب کتب ستہ اور مسند احمد (جو کہ اکثر احادیث الاحکام پر مشتمل ہیں) میں ان کی احادیث متن کے اعتبار سے (1500) سے زیادہ نہیں، تو باقی ساری کتب حدیث میں ان کی مرویات جو صحیح سند سے ثابت ہوں مزید (1500) سے یقیناً کم ہی ہوگی۔

اگر ہم - جدلا - یہ تسلیم کریں کہ ان کی مزید مرویات (1500) ہیں، تو کل ملا کر (3000) ہوں گی۔

تو ان احادیث کو ان کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کے ایام پر تقسیم کریں تو روزانہ تین حدیث بھی نہیں بنتی، کیونکہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جنگ خیبر کے موقع پر ہجرت کر کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کی، جنگ خیبر سنہ 7 ہجری محرم کے آخر اور صفر کے شروعات میں ہوئی، اور ایک مہینہ تک جاری رہی، اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات سنہ 11 ہجری ربیع الاول میں ہوئی، تو مجموعی طور پر یہ چار سال کم وبیش ایک مہینہ بنتا ہے، بعض محققین کے حساب سے چار سال 33 دن بنتے ہے[2]۔ اور ان میں سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سفر کے ایام اور سیدنا ابو ریرہ رضی اللہ عنہ کے بحرین میں گورنری کے ایام کو نکالا جائے تو مکمل تین سال بنتے ہیں جیسے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں: «صَحِبْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَ سِنِينَ لَمْ أَكُنْ فِي سِنِيَّ أَحْرَصَ عَلَى أَنْ أَعِيَ الحَدِيثَ مِنِّي فيهن»[3]۔ ''میں رسول اللہ رضی اللہ عنہما کی صحبت میں تین سال رہا ہوں، اپنی پوری

---

[1] تلقيح فهوم أهل الأثر (ص 361)

[2] أبو هريرة راوية الإسلام محمد عجاج الخطيب (ص:172)

[3] صحيح البخاري: كتاب المناقب، باب علامات النبوة في الإسلام، حديث نمبر (3591)

عمر میں مجھے حدیث یاد کرنے کا اتنا شوق کبھی نہیں ہوا جتنا ان تین سالوں میں تھا۔‘‘

نظام قمری کے اعتبار سے تین سال (1062) دن بنتے ہیں اس حساب سے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی کل مرویات کو (1062) پر تقسیم کریں تو روزانہ تین احادیث سے بھی کم بنتی ہیں۔

اور اگر ان تین ہزار احادیث میں سے ضعیف احادیث کو نکال لیا جائے تو انکی مرویات اور بھی کم ہو جائیں گی، اور ان میں بہت ساری احادیث ایسی ہیں جو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بلا واسطہ نہیں سنی ہیں بلکہ دوسرے صحابہ کرام سے سنی ہیں، جسے محدثین کی اصطلاح میں (مراسیل صحابہ) کہا جاتا ہے تو یہ تعداد مزید کم ہو جائے گی۔

اور یہ تعداد ایسی شخصیت کے لئے جس کے معمولات زندگی ہی اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث ہو، نہ مال ومتاع کی فکر، نہ تجارت وزراعت کی مصروفیت، نہ خاندانی وابستگیاں، نبی رضی اللہ عنہا کی ذات اور ان کی حدیث سے عشق کی حد تک لگاؤ ہو، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کردار وگفتار زندگی کا سرمایہ ہو، روزانہ تین حدیث یاد کرنا کوئی بڑی بات نہیں۔

اور جن کو روزانہ کی تین احادیث پر بھی اعتراض ہیں وہ ان وجوہات پر غور کریں، کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تمام اصحاب رسول میں سے سب سے زیادہ احادیث روایت کرنے والے کیسے بنے؟

1 حدیث رسول کے ساتھ دلی لگاؤ اور دلچسپی اور اس چیز کی گواہی خود اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دی، صحیح بخاری میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک دن میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا یا رسول اللہ قیامت کے دن آپ کی شفاعت کے سب سے زیادہ حقدار کون ہوں گے؟

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ابو ہریرہ میرا خیال تھا یہ سوال تم سے پہلے کوئی اور نہیں کرے گا کیونکہ میں نے دیکھا ہے تمہیں میری حدیث سے بہت دلچسپی ہے۔ قیامت کے دن میری شفاعت کے سب سے زیادہ حقدار وہ ہیں جس نے تہہ دل سے لا الہ الا اللہ کہا۔

ان کا احادیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دلی لگاؤ اور دلچسپی کثرت حدیث روایت کرنے کا بنیادی سبب ہے۔

2 آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے **مستقل رفاقت** نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شرف صحبت حاصل ہونے کے بعد ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سایہ کی طرح چمٹ کر رہے گھریلو زندگی کے علاوہ بہت کم ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جدا ہوتے تھے۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو کہا کرتے تھے: ابوھریرہ!

آپ ہم میں سے سب سے زیادہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہتے اور ان کی احادیث کو ہم سے زیادہ یاد کرنے والے تھے۔[1]

اور صحیح بخاری میں خود ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ وہ ہر مجلس میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ شریک ہوتے تھے جس میں باقی غائب ہوتے تھے، اور ساری احادیث یاد کرتے تھے جسے دوسرے لوگ یاد نہیں رکھتے تھے۔

3 فولادی یاداشت اور حافظہ: آپ رضی اللہ عنہ کی ذہانت وفطانت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات میں سے تھی، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا کی برکت سے آپ جو بھی چیز نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنتے تھے وہ کبھی نہیں بھولتے تھے « قال أبو الزعيزعة كاتب مروان بن الحكم: أن مروان دعا أبا هريرة فأقعدني خلف السرير وجعل يسأله وجعلت أكتب حتى إذا كان عند رأس الحول دعا به فأقعده وراء الحجاب فجعل يسأله عن ذلك فما زاد ولا نقص ولا قدم ولا أخر »[2]۔

مروان کے کاتب خاص أبو الزعیزعة کہتے ہیں ایک دفعہ مروان بن الحکم نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ عنہ کو بلایا، اور مجھے چارپائی کے اوٹ میں بٹھا کر ابو ہریرۃ سے سوالات کرنے لگے، میں جو کچھ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا اسے لکھتا رہا، ٹھیک ایک سال بعد ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو دوبارہ بلایا، اور اسے پس پردہ رکھ کر وہی سوالات

---

[1] سنن الترمذی :3836

[2] المستدرك - الهندية (3/510)

دوبارہ دہرائے، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے من وعن وہی جواب دیے جو پچھلے سال دیے تھے اس میں نہ کمی کی نہ بیشی، نہ تھوڑا سا آگے کیا اور نہ پیچھے۔

امام نسائی نے اپنی کتاب سنن کبری (5839) میں ذکر کیا ہے (ایک شخص زید بن ثابت کے پاس آئے اور کسی چیز کے متعلق سوال کیا، زید بن ثابت کہنے لگے آپ یہ سوال ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھئے، ایک مرتبہ میں، ابو ہریرہ اور فلاں شخص مسجد میں اللہ سے دعا اور ذکر میں مشغول تھے، اتنے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور ہمارے ساتھ بیٹھ گئے جب آپ تشریف لائے تو ہم خاموش ہو گئے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس چیز میں تم لوگ مشغول تھے اسے دوبارہ شروع کرو زید بن ثابت کہتے ہیں میں نے اور میرے دوسرے ساتھی نے، ابو ہریرہ سے پہلے دعا شروع کی اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہماری دعا پر آمین کہتے رہے، اس کے بعد ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے دعا کی اور کہا «اللهمّ إنّي أسألك ماسألك صاحباي هذان، وأسألك علمًا لا يُنسى» اللہ میں آپ سے وہ سوال کرتا ہوں جو میرے دو ساتھیوں نے مانگا ہے اور یہ بھی مانگتا ہوں مجھے ایسا علم عطا فرمائیں جو میں بھول نہ جاؤں تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا آمین، ابو ہریرہ کی دعا سن کر ہم نے بھی کہا یارسول اللہ ہم بھی اللہ سے نہ بھولنے والا علم مانگتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا «سبقكم بها الغلام الدوسي» قبیلہ دوس کا یہ نوجوان تم پر سبقت لے گیا۔

سیدنا ابن عمر سے کسی نے پوچھا: کیا آپ ابو ہریرہ سے جو بیان کرتے ہیں ان میں سے کسی کا انکار کرتے ہو ابن عمر نے کہا نہیں لیکن ابو ہریرہ نے جرأت مندی دکھائی، اور ہم میں یہ جرأت نہیں آتی اور یہ بات ابو ہریرہ کو پہنچی تو انہوں نے کہا (میں نے جو سنا اسے یاد رکھا، اور انہوں نے اسے بھلا دیا تو اس میں میری کیا غلطی؟

4 ہر قسم کی مشغولیت کو بالائے طاق رکھ کر پوری زندگی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث سننے کے لیے وقف کرنا۔

صحیحین میں جناب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''لوگ کہتے ہیں ابو ہریرہ بہت زیادہ حدیثیں بیان کرتے ہیں۔ واللہ الموعد ۔حالانکہ مجھے بھی اللہ سے ملنا ہے میں غلط بیانی کیسے کر سکتا ہوں۔ اور کہتے ہیں

باقی مہاجرین اور انصار آخر اسی طرح کیوں حدیثیں بیان نہیں کرتے ؟ ۔ بات یہ ہے، میرے بھائی مہاجرین خرید وفروخت تجارت میں مشغول ہوتے تھے۔ اور میرے بھائی انصار ان کی جائیداد کھیتی باڑی اور دوسرے کاموں میں مصروف رہتے تھے۔ جبکہ میں ایک فقیر آدمی تھا، معمولی کھا کر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت میں برابر حاضر رہتا تھا، جب وہ لوگ غائب ہوتے اس مجلس سے میں حاضر ہوتا، اس لئے جن احادیث کو یہ یاد نہیں کر سکتے تھے میں انہیں یاد رکھتا تھا۔'' [1]

5 جو احادیث انہیں سننے کو نہیں ملیں یا وہ واقعات جن میں براہ راست شریک نہ ہو سکے، ان احادیث اور واقعات کو دوسرے صحابہ کرام سے پوچھ پوچھ کر ذہن نشین کر لیتے تھے، حدیث کی کتابوں میں بہت ساری احادیث ابو ہریرہ نے ابوبکر الصدیق، عمر الفاروق، الفضل بن العباس، اُبی بن کعب، اسامہ بن زید، عائشۃ الصدیقہ اور ابو بصرۃ الغفاری وغیرہم سے روایت کی ہیں۔

6 **نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے انتہائی قریبی تعلقات تھے**، اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دینی معاملات میں سوال کرنے میں جرأت مند تھے، ایسے سوالات نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھتے تھے جس کے بارے میں دوسرے لوگ نہیں پوچھتے تھے، اسی لیے ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ابو ہریرہ مجھے یقین تھا کہ اس بارے میں سوال تم ہی کرو گے کیونکہ تمہیں احادیث سے دلچسپی بہت ہے۔

7 **علم کو چھپانے سے ڈرتے تھے**۔ صحیحین میں آتا ہے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے اگر قرآن مجید کی دو آیتیں نہ ہوتیں تو میں تمہیں کوئی ایک حدیث بھی نہیں سناتا ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ﴾ الی قولہ ﴿وَأَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيمُ﴾ [2]

8 نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث یاد کرنے اور دہرانے میں شب بیداری کرتے تھے کہتے ہیں: میں

---

[1] صحیح بخاری حدیث نمبر (2350)

[2] متفق علیہ (صحیح بخاری:2350)، (صحیح مسلم:2492)

رات کو تین حصوں میں تقسیم کرتا ہوں۔ ایک تہائی سوجاتا ہوں، ایک تہائی مسجد میں نماز پڑھتا ہوں۔ اور ایک تہائی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو یاد کرتا ہوں اور دہراتا ہوں۔

9 سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو اللہ نے لمبی زندگی عطا کی، کبار صحابہ سارے فوت ہو گئے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث یادرکھنے والوں کی تعداد روز بروز گھٹتی گئی ایک زمانہ آیا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ لوگوں کا مرجع بنے۔ کیونکہ کبار صحابہ جو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے رہے جیسے ابوبکر الصدیق، عمر الفاروق، عثمان غنی، علی المرتضی رضی اللہ عنہم، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد امور خلافت میں مشغول ہو گئے، مرتدین کے ساتھ جنگ، فتوحات، مفتوحہ علاقوں کی تعلیم وتربیت جیسے امور میں مصروف ہوئے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کبار صحابہ فوت ہو گئے۔ علم اور فتوی کے لئے لوگ ابو ہریرہ ابن عباس ابن عمر عائشہ اور ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہم وغیر ہم کے محتاج ہوئے۔

مغازی اور سیر کے سرخیل واقدی کہتے ہیں: کبار صحابہ کی مرویات کم ہونے کی وجہ یہ تھی، کہ ان حضرات کے علم کے محتاج ہونے سے پہلے فوت ہو گئے، کبار صحابہ سے اتنی احادیث مروی نہیں، جتنی صغار صحابہ سے مروی ہیں، حالانکہ ان کی صحبت اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ رہی ہے۔

علامہ ابن سعد کہتے ہیں: کسی صحابی رسول سے پوچھا گیا، فلان اور فلان صحابی جتنی احادیث بیان کرتے ہیں، آپ اتنی حدیثیں بیان کیوں نہیں کرتے؟ انہوں نے جواب دیا ایسی بات نہیں کہ میں نے ان صحابہ کرام کی نسبت احادیث کم سنی ہیں، یا میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجالس میں کم حاضر ہوا ہوں، بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتیں زندہ ہیں اور لوگ ان سنتوں پر قائم ہیں، اور معاشرے میں ایسے لوگ زندہ ہیں، جن کے ہوتے ہوئے ہماری ضرورت نہیں۔ اور میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث میں کمی اور بیشی کو پسند نہیں کرتا، قسم ہے اللہ کی! ایک شخص میرے سامنے ایسی بات کرتا ہے، اس کا جواب میرے نزدیک سخت پیاس میں ٹھنڈا پانی سے بھی

زیادہ پسندیدہ ہے، لیکن میں اس کو جواب نہیں دیتا، اس خوف سے کہ کہیں میں اس میں اضافہ نہ کر بیٹھوں۔ (1)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اس بابت فرماتے ہے: ''وہ اصحاب کرام جن کی عمریں لمبی ہوئیں لوگ ان کے علم کے محتاج ہوئے، انہوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہت ساری احادیث روایت کیں، جتنی خلفاء راشدین اور کبار صحابہ سے مروی نہیں۔ کیونکہ ان حضرات کو روایت نقل کرنیکی ضرورت ہی پیش نہیں آئی، ان کے آس پاس بسنے والے سارے یا غالب اکثریت ان صحابہ کرام کی تھی جن کے پاس وہی علم تھا جو ان حضرات کے پاس تھا۔ اسی لیے عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، عائشہ، انس، جابر، اور ابوسعید، رضی اللہ عنہم سے اتنی احادیث مروی ہیں جتنی علی اور عمر رضی اللہ عنہما سے مروی نہیں۔ جبکہ عمر اور علی رضی اللہ عنہما ان سب سے زیادہ جاننے والے تھے، لیکن ان حضرات کی زندگی لمبی ہوئی لوگ ان کے علم کے محتاج ہوئے۔ صغار تابعین نے بھی ان کے علم سے استفادہ کیا، انہوں نے ان صحابہ سے پوچھا انہوں نے جواب دیا اور علم سکھایا، جبکہ کبار صحابہ سے ان کی ملاقات نہیں ہو پائی (2)۔

مزید لکھتے ہیں: (سیدنا ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد دو سال چھ مہینے زندہ رہے۔ مدینہ منورہ سے حج یا عمرہ کے لیے ہی نکلتے ورنہ مدینہ ہی میں قیام فرمایا۔ اور لوگوں کو ان سے حدیث لینے کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی، کیونکہ ان کے آس پاس جتنے لوگ بستے تھے ان سب نے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت کا شرف حاصل کیا تھا۔ اور اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے براہ راست حدیثیں سنی تھیں۔ اس کے باوجود ان سے (142) ایک سو بیالیس حدیثیں مروی ہیں۔

جن صحابہ کرام کی عمریں لمبی ہوئی ان سے احادیث زیادہ مروی ہیں، اور جن صحابہ کرام کی عمریں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد مختصر ہوئیں ان کی مرویات کم ہیں (3)۔

---

(1) الزھد لابن المبارک، ص 20، الکفایہ 1/504-505

(2) منهاج السنة، 8/58

(3) منهاج السنة، 7/519-520

ذہبی العصر علامہ معلمی فرماتے ہیں: احادیث نبوی کے حوالے سے دو بنیادی عمل تھے، پہلا: (تلقی) احادیث کو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے یاد کرنا یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے افعال اور تقریرات کا ذہن نشین کرلینا۔ دوسرا (الاداء) جس حدیث کو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لے لیا ہے اسے آگے تابعین تک پہنچانا، سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ (الاداء) کے زمانے میں صرف دو سال زندہ رہے۔ وہ بھی امور خلافت میں مشغول رہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کے دور حکومت میں وزارت اور تجارت میں مصروف رہے، اور ان کی وفات کے بعد امور خلافت میں مشغول ہوئے، مستدرک حاکم میں آتا ہے (معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ اپنے ساتھیوں کو علم کے حصول کی ترغیب دی، اور ابولدرداء، عبداللہ ابن مسعود، اور عبداللہ بن سلام، کے نام لئے تو ان کے تلمیذ رشید یزید بن عمیرہ نے کہا: عمر بن الخطاب؟ تو معاذ نے فرمایا: اس سے سوال نہ کیا کرو کیونکہ وہ بہت مشغول اور مصروف آدمی ہے۔ اسی طرح عثمان اور علی رضی اللہ عنہما بھی پہلے وزارت پھر امور خلافت اور فتنوں کی سرکوبی میں مصروف ہوگئے۔ [1]

اگر کوئی شخص ان اسباب پر غور کرے تو سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرویات کی تعداد پر تعجب نہیں کرے گا، تعجب صرف وہی آدمی کرسکتا ہے جسے ان اسباب کا علم نہ ہو، یا سیدنا ابو ہریرہ کی حالت زندگی کا بغور مطالعہ نہ کیا ہو۔ یا پھر دل میں نفاق وزندقت کا مرض ہو۔

والله اعلم وصلى الله وسلم على نبينامحمد وعلى اله وصحبه اجمعين۔

[1] الانوار الکاشفہ ص: 140-141

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

زیرنظر تحریر دراصل المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر کراچی کے تحت شائع ہونے والے دفاع حدیث انسائیکلو پیڈیا کی پہلی جلد کا مقدمہ اور عرض مولف ہے۔ جو چند روز قبل شائع ہوکر منظر عام پر آئی ہے اور قارئین نے الحمدللہ اسے ہاتھوں ہاتھ لیا ہے، جو تشنگان علوم کی حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے والہانہ عقیدت ومحبت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ یہ کتاب مولانا امین احسن اصلاحی کی تفسیر ''تدبر قرآن'' اور صحیح بخاری کی شرح ''تدبر حدیث'' میں موجود انکار حدیث کے زہریلے جراثیم کی نشاندہی پر مشتمل ہے۔ جس میں اصلاحی صاحب کی استخفافِ حدیث کی ناروا روش کو طشت از بام کیا گیا ہے۔ مکمل کتاب **632** صفحات پر مشتمل ہے۔ جسے پڑھنے سے قبل کتاب اور اس کے مندرجات سے متعارف ہونا ازحد ضروری ہے اسی مقصد کے پیش نظر کتاب کا مقدمہ اور عرض مولف البیان کے اس نمبر میں شامل اشاعت کیا جارہا ہے۔

امید ہے قارئین اس سے مستفید ہوں گے واللہ من وراء القصد۔

(اداریہ)

مقدمہ

فضیلۃ الشیخ علامہ عبداللہ ناصر الرحمانی حفظہ اللہ

الحمدللہ والصلاۃ والسلام علی رسول اللہ ،وبعد

اللہ تعالیٰ کے ہم ناتواں بندوں پر بے پناہ احسانات ہیں،جنہیں بفحوائے قولہ تعالیٰ:﴿وَإِن تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا﴾(النحل:28)احاطۂ شمار میں لانا ہرگز ممکن نہیں،تمام سمندروں کی روشنائیاں اور درختوں کے قلم لکھتے لکھتے ختم ہوجائیں گے،لیکن اللہ رب العزت کی نِعَمِ عظیمہ اور آلائے متتالیہ کا شمار مکمل نہیں ہوسکے گا۔

ان احسانات میں سے ایک احسان یہ ہے کہ اس نے خود ہی ہماری شریعت بنائی اور ہمیں عطافرمائی،شریعت سازی کا معاملہ ہماری ناقص عقلوں پر نہیں چھوڑا بلکہ خود بنا کر قرآن وحدیث کی صورت میں اپنے نبیٔ برحق،اکرم الخلائق،سید ولد آدم محمد مصطفیٰ ﷺ کے ذریعے سے مکمل طور پر ہم تک پہنچادی۔

دوسرا احسان یہ فرمایا کہ اس شریعتِ مطہرہ کو انتہائی آسان اور سہل رکھا،﴿وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ﴾(الحج:78)اور《الدين يسر》سے یہی ثابت ہوتا ہے۔مزید برآں اس آسان دین پر چلنے کی آسانی بھی بتوفیقہ مرحمت فرمادی،کمافی قولہ تعالیٰ:﴿فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرَىٰ﴾(اللیل:7)﴿وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرَىٰ﴾(الاعلیٰ:8)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو منجانب اللہ یہ توفیق بھی مہیا ہوئی کہ آپ اس دنیائے فانی سے تشریف لے جانے سے قبل دین کو مکمل طور پر نکھار اور روشن فرما چکے تھے: «ترکتکم علی البیضاء، لیلها ونهارها سواء» رات اور دن کے فرق کی مانند حق وباطل کے مابین ایک حدِ فاصل قائم فرما چکے تھے، اس دین میں کوئی خفاء یا غموض وابہام نہیں ہے، ہر چیز انتہائی نکھری ہوئی موجود ہے۔

فلله الحمد والمنّة.

اللہ رب العزت کا ایک احسان عظیم یہ بھی ہے کہ اس نے اس دین کی قیامت تک کے لیے حفاظت کا وعدہ فرما لیا، بلکہ یہ حفاظت اپنے ذمہ لے لی:

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ (الحجر: 9)

ہمیں یقینِ کامل ہے کہ ہمارا دین قیامت تک محفوظ و متمیز رہے گا، ایسا نکھرا ہوا کہ ملحدین ومبطلین کی سازشوں اور دسیسہ کاریوں سے بالکل پاک اور صاف اور ان کے وارد کردہ مغالطات وشبہات سے قطعی محفوظ وسالم۔

حفاظتِ دین کے لیے اللہ تعالیٰ کے پاس بے شمار راستے ہیں، مختلف طاقتوں کی صورت میں ان گنت لشکر ہیں، جن کا علم اسی کے پاس ہے: ﴿وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ﴾ (المدثر: 31)

اللہ تعالیٰ کے ان لشکریوں اور سپاہیوں میں ایک انتہائی اہم اور قابل ذکر جتھا علمائے ربّانیین کا ہے، جنہیں راسخین فی العلم اور وارثانِ علومِ نبوت ہونے کا شرف حاصل ہے، جو اپنی اعمار اور نفائس وانفاس کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وراثت (قرآن وحدیث) کو سمیٹنے میں صرف کرتے ہیں اور اس عظیم مقصد کے لیے ہمہ وقت مستعد رہتے ہیں، انہیں دنیاوی مال ومنال اور مناصب ومفاوض کی نہ تو کوئی تمنا ہوتی ہے اور نہ وہ کسی قسم کی بے فائدہ سعی اور مسابقت ہی میں اپنی جانیں کھپاتے ہیں۔

ان کی زندگی کے مقاصدِ جلیلہ اور اہدافِ نبیلہ میں سرفہرست رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس عظیم ورثے کی تطہیر وتنزیہ شامل ہے۔ دینِ حق میں کسی بدعت یا الحاد کے ادنیٰ سے عنصر کا تدخل بھی ان کے لیے ناقابل برداشت ہے۔

حکمتِ الٰہیہ اس امر کی متقاضی ہے کہ علماءِ ربانیین وراسخین کی یہ جماعت ہر دور اور ہر مقام پر موجود رہے جو اہل باطل اور اہل الحاد کی بروقت گردن دبوچ سکے اور شریعت مطہرہ کو ان کے دسائس سے پاک صاف رکھ سکے۔

امام بخاری رحمہ اللہ کو یہ خواب دکھایا گیا کہ وہ ایک پنکھے سے امام الانبیاء والاصفیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہوا بھی پہنچارہے ہیں اور موذی جانوروں کو بھی ہٹارہے ہیں، جس کی تعبیر واضح تھی کہ آپ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس بابرکت دین کو ان موذی کیڑوں مکوڑوں سے محفوظ بنانے کی سعی فرماتے رہیں گے، جو اللہ تعالیٰ کی توفیق سے انتہائی کامیاب رہے گی، چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ کی جملہ کتب اسی حقیقت کی آئینہ دار ہیں، اور صحیح بخاری کا تو ایک ایک ترجمۃ الباب (عنوان) کسی نہ کسی گمراہ فرقے پر ضرب کاری لگارہا ہے۔قدس اللہ روحہ ورفع درجتہ فی أعلیٰ علیین.

امام بخاری رحمہ اللہ کے دور سے قبل بھی اور بعد بھی علمائے حق کی جماعتیں اسی فریضہ کی ادائیگی میں ہمہ تن مصروف رہیں، اس عظیم خدمت کی ادائیگی جماعت اہل حدیث کا ایک نمایاں وصف ہے، ایک ایسا کارنامہ جو اہل الحدیث کا تمیز بھی ہے اور مایہ صد افتخار بھی۔

ایک یہودی منافق عبداللہ بن سبا کے دیے ہوئے غلیظ اور خبیث انڈوں سے بہت سے چوزے برآمد ہوچکے تھے۔کوئی جہمیہ کے روپ میں تو کوئی مشبّہ کی شکل میں تھا، کسی کا تعلق معتزلہ سے تھا تو کسی کا متکلّمین سے، کوئی قدریہ کے نام سے تو کوئی جبریہ کے نام سے میدان میں اتر چکا تھا، خوارج وروافض بھی دین حق پر اپنے مسموم تیر برسانے میں مصروف عمل ہوچکے تھے۔

ان تمام فرق واحزاب کے طوفانِ بدتمیزی کے آگے بند باندھنے والے محدثین ہی تھے، یعنی اہل الحدیث کی وہ جماعت جن کے تا قیامِ قیامت موجود رہنے کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیش گوئی فرمائی تھی، تاکہ دفاعِ دین کا سلسلہ قیامت تک قائم رہے، یہ عجالہ تفصیل کا متحمل نہیں ہے، ورنہ اہل الحدیث کی زریں تاریخ سینکڑوں مثالیں پیش کرسکتی ہے جو باطل کی سرکوبی اور دین کے دفاع پر منتج دکھائی

دیں گی۔وذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء.

ماضیٔ قریب میں بہت سے اَعیان واکابر موجود رہے جن میں محدثین کا یہ منہج بدرجہ اتم موجود رہا، اُدھر باطل نے کوئی خامہ فرسائی کی، اِدھر ان کا قلمِ سیال، ناطقِ حق بن کر حرکت میں آ گیا، اوران کے شبہات کے بیتِ عنکبوت کو تار تار کردیا۔

فاتح قادیان مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ، مولانا اسماعیل سلفی رحمہ اللہ، اور محدث دیارِ سندھ سید بدیع الدین شاہ راشدی رحمہ اللہ کے نام قابلِ ذکر ہیں، مزید برآں مجاہدِ ملت علامہ احسان الٰہی ظہیر رحمہ اللہ کی تحریری وتقریری محنتیں اور کاوشیں کون فراموش کرسکتا ہے، ان کی بیشتر مؤلفات طوائف منحرفہ کی تردید وتفنید پر مشتمل ہیں۔

میری رائے میں تحریری اعتبار سے دورِ حاضر میں دینِ حق کے دفاع اور اہل باطل کی سرکوبی کی علمبرداری کا اعزاز جس شخصیت کو حاصل ہے وہ ہمارے حافظ صلاح الدین یوسف ہیں، حفظہ اللہ تعالیٰ وصانہ من کل شر ومکروہ ومتعنا بطول حیاتہ ووفقہ لمزید مافیہ حبہ ورضاہ.

حافظ صاحب حفظہ اللہ کی کثیر تعداد میں مطبوع مؤلفات اور مختلف مجلّات میں شائع شدہ مقالات اس پر شاہدِ عدل ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو منہجِ سلف کے مطابق فہمِ حق کی نعمت سے مالا مال فرمایا ہے، نیز اظہارِ حق اور باطل کے شبہات وتخرصات کے قوی دلائل کے ساتھ ازالے کا ملکہ بھی خوب عطا فرمایا ہے، آپ کے قلم سے نکلی ہوئی ہر تحریر اور ہر جملہ بطورِ گواہ موجود ہے۔

زیرِ نظر کتاب ماضی قریب اور عہد حاضر کے کچھ متجددین اور متعالمین (اصلاحی، فراہی اور غامدی) کے گمراہ افکار کی تردید وتفنید کی شاہکار ہے۔ ان کے ان نجس افکار کا محور انکارِ حدیث ہے جو اس بات کا ثبوت ہے کہ ان تینوں شخصیتوں اور پرویز نیز چکڑالوی وغیرہ کا ایک ہی مورد ومشرب ہے۔ہذہ الأقدام بعضھامن بعض.

انکارِ حدیث کی تاریخ بہت ہی پرانی ہے، امام شافعی رحمہ اللہ کے دور میں منکرین حدیث موجود تھے ان میں سے ہر ایک کا اپنا اپنا رنگ روپ ہے۔ کچھ تو برملا حدیث کے منکر ہیں، جن کے خطرات بہت کم ہیں، لیکن کچھ بظاہر حدیث کو ماننے کے مدعی ہیں، مگر موقع بموقع اپنی غلاظت سے بھرپور خواہشات کی

ترجمانی کرتے ہوئے احادیث کا انکار کرتے جاتے ہیں جن کی ایک طویل فہرست مرتب ہوسکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ اجرِ کثیر اور ثوابِ جزیل عطا فرمائے ، محترم حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ کو جنہوں نے ان کے شبہات کو بے نقاب فرمایا اور انتہائی قوی اور ٹھوس دلائل سے ان پر ایسی ضرب کاری لگائی ، جس کا جواب نہ ان کے پاس موجود تھا ، نہ ہے ، اور نہ آئندہ ہوگا۔ ہمیں اللہ تعالیٰ کی ذات سے قوی امید ہے اور دعائیں بھی ، کہ اللہ رب العزت حافظ صاحب کی ان جہود و مساعی کو ان کے میزانِ حسنات کا انتہائی وزنی اثاثہ بنائے گا ، جو حافظ صاحب کے رفعتِ درجات کا سبب بنے گا۔ ان شاء اللہ

ہم قارئین کو مکمل کتاب کے مطالعہ کی دعوت دیتے ہیں ، تاکہ کسی لمحہ کوئی صاحب الحاد ان کی ناواقفیت کا فائدہ اٹھا کر اپنے جال میں گرفتار کرنے کی ہمت نہ کرسکے ، ہم ان تمام لوگوں کو بھی حافظ صاحب کی اس کتاب اور دیگر کتب کے بنظرِ انصاف مطالعہ کی دعوت دیں گے جو فتنوں کے اس دور میں علماء ربانیین سے رابطہ منقطع کر کے ٹی وی کی اسکرین سے حصولِ علم کے لیے کوشاں دکھائی دیتے ہیں۔

ایسے لوگوں پر ہم واضح کیے دیتے ہیں کہ ٹی وی کی اسکرین باعث ہدایت اور سببِ نجاح وفلاح ہو ہی نہیں سکتی ، اس کے لیے علمائے حق کی صحبت اور رفاقت ہی کارآمد ہے ، یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کا خلاصہ ہے اور وہ جوہرِ بے بدل ہے جو تزکیہ وتربیت کا سامان پیدا کرسکتا ہے اور طلبۃ العلم کے سینوں کو علم نافع (قرآن وحدیث) کے نور سے منور کرسکتا ہے ، نیز عمل صالح کے اسباب کی ارزانی وفراہمی کا سبب بھی۔

اللہ تعالیٰ اس کتاب کے نفع کو عام فرمادے اور جملہ معاونین ومساہمین کی بخشش کا ذریعہ بنادے ، جس دلدل میں ہم من حیث القوم دھنستے جارہے ہیں ، وہ ہماری ہی کج فکریوں اور بداعمالیوں کا نتیجہ ہے ، جن میں سرفہرست فتنۂ انکارِ حدیث ہے۔ اللہ رب العزت سے اپنی اور سب کی ہدایت اور ہدایت پر استقامت کے طلبگار رہیں۔

واللہ تعالیٰ ولی التوفیق، وأصلی وأسلم علی نبینا محمد وعلی آله وصحبه وأهل طاعته أجمعین.

کتبہ / عبداللہ ناصر الرحمانی

دسمبر 2017ء

عرض مؤلف

از حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے جو نبیٔ آخر الزماں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بذریعۂ جبرئیل امین نازل ہوئی۔ یہ قرآن مجید چونکہ پورے جہاں کے لیے اور قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کے لیے ہدایت ورہنمائی کا ذریعہ ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا ذمہ بھی لیا۔ (سورۃ الحجر:15/ 9) چنانچہ اس وعدۂ حفاظتِ الٰہی کے مطابق قرآن کریم محفوظ ہے، جب کہ پچھلے صحیفے تغیر وتبدل کا شکار ہوکر اپنی اصل حیثیت کھو بیٹھے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی وہ قولی اور عملی تفسیر وتوضیح بھی محفوظ فرمادی جو اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ منصب۔ تبیین قرآن۔ (النحل:44/16) کی رُو سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائی جسے حدیث رسول کہا جاتا ہے، کیونکہ اس تبیین قرآنی (حدیث) کے بغیر قرآن کا سمجھنا اور اس پر عمل کرنا ناممکن تھا۔

یہ اسلام اور امتِ اسلام کا ایسا امتیاز ہے اور اللہ تعالیٰ کا خصوصی احسان اور فضل وکرم کہ یہ شرف وامتیاز قرآن اور احادیث کے علاوہ کسی کو حاصل نہیں ہوا۔ پچھلی آسمانی کتابیں بھی تحریف وتغیر کا شکار ہوکر اپنی خصوصی حیثیت سے محروم ہوگئیں اور ان کے حاملین (انبیاء علیہم السلام) جن پر وہ کتابیں نازل ہوئیں، ان کے فرمودات وتشریحات بھی نابود۔ اور ایسا اس لیے ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو یہی منظور تھا، وہ ایک مخصوص ومحدود وقت کے لیے ہی نازل ہوتی رہی ہیں اور ان کے انبیاء ورسل کا عرصۂ رسالت بھی محدود اوقات وازمنہ کے

لیے تھا۔ رسالت عامّہ اور ابد تک رہنے والی رسالت، یہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاصّہ ہے اور اسی وجہ سے آپ کی دونوں چیزوں۔قرآن اور اس کی تشریح (حدیث)۔کو بھی محفوظ رکھا گیا ہے۔

فللّٰه الحمد والمنة علیٰ ذلک

ان دونوں چیزوں کی حفاظت کی تفصیل قارئین کرام زیر نظر کتاب میں ملاحظہ فرمائیں گے۔ بلاشکّ وشبہ یہ دونوں چیزیں محفوظ ہیں جن سے اول المسلمین صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے فائدہ اٹھایا اور دونوں سے رہنمائی حاصل کی۔اسی لیے اللہ تعالیٰ نے صحابۂ کرام کے منہج کو﴿ سبیل المؤمنین ﴾ (مومنوں کا راستہ) بھی قرار دیا اور اس سے انحراف کو گمراہی اور جہنمی ہونے کا باعث بتلایا۔(سورۃ النساء:4/115)

لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو پیشن گوئیاں فرمائی تھیں، ایک تو یہ کہ امت محمد یہ اپنی پیش رو امتوں (یہود ونصاریٰ) کی گمراہی میں پیروی کرے گی اور ان کے قدم بہ قدم چلے گی۔[1]

دوسری یہ کہ میری امت پچھلے لوگوں (یہود ونصاریٰ) ہی کی طرح متعدد (73) فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی، یہ سارے فرقے جہنمی ہوں گے،صرف وہ ایک گروہ مستحق جنت ہوگا جو میرے اور میرے صحابہ کے طریقے پر چلنے والا ہوگا۔ اس کے لیے بعض روایات میں﴿الجماعة﴾ کا لفظ ہے جس سے مراد صحابہ کی جماعت ہے۔[2]

مطلب دونوں کا ایک ہی ہے،یعنی جنتی گروہ صرف وہ ہے جس پر آج میں اور میرے صحابہ قائم ہیں،یعنی صحابہ کے منہج کے پیروکار ہی نجات ابدی کے مستحق ہوں گے۔

اسی طرح ایک خوش خبری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دی ہے کہ ''جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ

---

[1] صحيح البخاري،كتاب أحاديث الانبياء، باب نزول عيسىٰ ابن مريم، حديث:3456

[2] سنن ابي داؤد، كتاب السنة، باب شرح السنة، حديث4597، (اور بعض میں الفاظ ہیں 'ما أنا عليه وأصحابی)، الابانة الكبرىٰ489\2، حديث:532

فرماتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو دین کی صحیح سمجھ عطا فرما دیتا ہے، اور مسلمانوں کی ایک جماعت ہمیشہ حق کے لیے لڑنے والی ہوگی اور وہ قیامت تک اپنے مخالفین (حق کے خلاف گروہوں) پر (دلائل کے اعتبار سے) غالب رہے گی۔‘‘[1]

یہ امت کس طرح گمراہ ہوئی؟ اس کی سب سے بڑی وجہ صحابۂ کرام کے منہج سے انحراف ہے۔ صحابۂ کرام کا منہج کیا تھا؟ صحابۂ کرام نے سچے دل سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوہ اور طریق کو اپنایا، اس سے بال برابر اِدھر اُدھر نہیں ہوئے۔ قرآن کو بھی انہوں نے اسی طرح سمجھا جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سمجھا اور سمجھایا اور احادیث رسول کو بھی انہوں نے حرزِ جان بنایا۔ اپنی طرف سے انہوں نے نہ قرآن کریم میں وہ موشگافیاں کیں جو بعد کے گمراہ فرقوں نے کیں، اور نہ احادیث کو ردّ کرنے کے لیے ایسے خانہ ساز اصول گھڑے جن کی بنیاد پر احادیث سے گریز واعراض آسان ہوجائے۔

امت مسلمہ کی اکثریت نے صحابۂ کرام کے اس منہج کو چھوڑ دیا اس لیے قرآن کریم کے محفوظ ہونے کے باوجود، قرآن سے انہوں نے رہنمائی حاصل کرنے کے بجائے اس سے غلط استدلالات کیے تاکہ اپنی اختیار کردہ گمراہی کو قرآن کے سر منڈھ دیں۔ اسی طرح احادیث کو خوش دلی سے قبول نہیں کیا بلکہ ان سے جان چھڑانے کے لیے انہوں نے ایسے ایسے اصول گھڑے کہ سانپ بھی مرجائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔ یعنی بظاہر، یا زبان کی حد تک حدیث کے ماننے کا اقرار لیکن بہ لطائف الحیل اس کی پیٹھ میں چھرا گھونپنے کی سعیٔ مذموم۔

اس انحراف اور زیغ وضلال سے صرف وہ ایک طائفۂ حقہ بچا جس کی نوید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مذکورہ حدیث میں دی ہے، اسی کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی (جو قرآن وحدیث کی شکل میں موجود ہے) حفاظت کا کام لیا ہے اور یوں اسلام گمراہ فرقوں کی ساری تگ وتاز کے باوجود محفوظ ہے اور قیامت تک

[1] صحیح مسلم، کتاب الامارة، باب، لاتزال طائفة من امتی ظاهرین علی الحق، لایضرهم من خالفهم، حدیث: 1037، (بترقیم فواد عبدالباقی) ایضاً صحیح البخاری، المناقب، باب 28، حدیث: 3640

محفوظ ہی رہے گا۔(ان شاء اللہ العزیز)

یہ طائفۂ حقہ اور جماعت منصورہ صحابۂ کرام کے منہج پر قائم ہے اور ہر دور میں قائم اور اہل باطل اور منحرفین سے برسر پیکار رہی ہے اور ابطال باطل اور احقاق حق کا فریضہ بعون اللہ وتوفیقہ انجام دیتی آرہی ہے۔كثر الله سوادهم وأيّدهم بنصره العزيز۔

اسی جماعت کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا تھا جس میں اس کے مذکورہ فریضے کی ادائیگی کی خوش خبری بھی ہے۔

﴿يحمل هذا العلم من كل خلف عدوله، ينفون عنه تحريف الغالين وانتحال المبطلين وتاويل الجاهلين۔﴾[1]

''پچھلوں سے یہ (قرآن وحدیث کا) علم عادل لوگ (اہل حق) حاصل کریں گے، (اور) غلو کرنے والوں کی تحریف، باطل پرستوں کے غلط انتساب اور جاہلوں کی غلط تاویل وتوجیہ کی تردید اور نفی کریں گے۔''

اس فرمان رسول میں تمام باطل فرقوں کے رویے اور ان کی گمراہی کے اسباب بیان کر دیے گیے ہیں۔غلو کرنے والے قرآن وحدیث میں معنوی تحریف کرتے ہیں، اہل باطل غلط انتساب کرتے ہیں اور جاہل باطل توجیہ سے کام لیتے ہیں۔ یہ تینوں باتیں گمراہ فرقوں کی ناگزیر ضرورت ہیں کیونکہ ان کے بغیر ان کے گمراہانہ افکار کا اثبات ممکن ہی نہیں جن سے وہ اپنے حلقۂ اثر کے لوگوں کو مطمئن کرسکیں۔

اس کی تفصیل وشرح کے لیے تو بہت وقت چاہیے، اس وقت صرف مولانا امین احسن اصلاحی کے حوالے سے فکر فراہی کی بابت یہی کہا جاسکتا ہے کہ اس گروہ نے ''نظم قرآن'' کے عنوان پر جو رویہ اختیار کیا ہے، اس میں غلو بھی ہے اور اس کی بنیاد پر انہوں نے قرآن میں متعدد جگہ تحریف معنوی کا ارتکاب کیا ہے اور اللہ رسول

---

[1] مشکوٰۃ، بہ تحقیق الشیخ الالبانی، کتاب العلم، رقم: 248، صححہ الالبانی

کی طرف غلط باتوں کا انتساب بھی کیا ہے ورنہ قرآن کریم میں تحریف معنوی کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ اس طرح جگہ جگہ ایسی باطل توجیہات وتاویلات کی ہیں جو توجیہ القول بما لایرضیٰ به القائل کی مصداق ہیں، یعنی گمراہ فرقوں کی جو جو گمراہیاں ہیں، وہ سب اس فراہی گروہ میں پائی جاتی ہیں، یوں یہ فرقہ تمام گمراہ فرقوں کی گمراہیوں کا مجموعہ ہے۔اس میں

1 بیسیوں صحیح اور متفق علیہ احادیث کا انکار ہے۔

2 متعدد منکر اور ضعیف روایات سے استدلال ہے۔

3 محدثین کے وضع کردہ تحقیق حدیث کے اصولوں کو ناکافی قرار دیتے ہوئے نئے اصول وضع کیے تاکہ جس صحیح حدیث کو وہ ردّ کرنا چاہیں رد کردیں، اور جس منکر اور ضعیف روایت کو مدار استدلال بنانا چاہیں، وہ آسانی سے کرسکیں، اور یہ دونوں کام اصلاحی صاحب نے ڈنکے کی چوٹ پر کیے ہیں۔ اس کی الم ناک تفصیلات آپ اس کتاب میں جگہ جگہ ملاحظہ فرمائیں گے۔

4 صحیح احادیث کو ردّ کرنے کے لیے مفروضے گھڑے تاکہ صحیح احادیث کو بھیانک رُوپ میں پیش کیا جاسکے۔(دیکھیے سورۃ الاحزاب کی من گھڑت تفسیر پر ہمارا نقد)۔

5 قرآن کی بیان کردہ حقیقت کو جھٹلانے کے لیے تفسیر میں قرآن کی طرف منسوب اپنی طرف سے اضافہ (دیکھیے: اُرْکُضْ بِرِجْلِکَ..(سورہ ص:42) کی تفسیرِ اصلاحی پر نقد)

6 اپنی بات کی پچ میں محدثین کی طرف جھوٹا انتساب۔(دیکھیے: سورۂ دخان:10 کی تفسیر میں ہماری وضاحت) اس طرح حدّ رجم کو فقہ کی طرف منسوب کرکے اسے فقہاء کی ایجاد قرار دینا۔(دیکھیے سورۂ نور کی تفسیر اصلاحی)

7 نبی ﷺ تک کو (نعوذ باللہ) ﴿تنکح﴾ (البقرہ:230) کے معنی ومفہوم سے ناآشنا قرار دینا، نیز اس لفظ کے نبوی مفہوم کا استہزاء واستخفاف۔

8 بے سروپا روایات کی بنیاد پر مفسرین کو بے نقط سنانا، جب کہ محقق مفسرین نے ان کا اپنی تفاسیر میں ذکر ہی نہیں کیا ہے۔ دیکھیے: ﴿ اَخۡرَجۡنَا لَهُمۡ دَآبَّةً مِّنَ الۡاَرۡضِ.. ﴾ (النمل:82) کی تفسیر اور سورۃ الحج:52 کی تفسیر اصلاحی۔

9 شانِ نزول کی صحیح بلکہ متفق علیہ حدیث کو ''لایعنی'' روایت قرار دینا (تدبر:4/56)

10 مفسرین کی تفسیر کو ''گھپلا'' قرار دینا۔ (دیکھیے: تدبر، سورۃ الانبیاء، ص:320)

11 قرآن مجید میں معنوی تحریفات کا ارتکاب۔ (دیکھیے: سورۃ القیامۃ:23 میں دو معنوی تحریفیں) یعنی ایک نہایت مختصر سی آیت میں دو تحریفیں (2) سورۂ بنی اسرائیل:79 میں معنوی تحریف۔ (3) سورۂ ص، آیت ﴿ وَ اَلۡقَيۡنَا عَلٰى كُرۡسِيِّهٖ جَسَدًا ﴾ میں لفظی و معنوی تحریف (4) سورۃ القلم، آیت:42 میں لفظ ﴿ساق﴾ کے معنی میں تحریف۔ (5) سورۃ النساء:1 میں ﴿منها﴾ کا ترجمہ من جنسها کر کے معنوی تحریف۔ (6) سورۂ سبا:12 میں معنوی تحریف۔

12 نظم کے بلند بانگ دعووں کے باوجود حسب ذیل مقامات پر نظم قرآن کی دھجیاں بکھیر دی ہیں۔ مثلاً: سورۃ البقرہ:232، سورۃ الانفال: سورۂ بنی اسرائیل:79، سورۂ یونس، سورۂ نجم کی تفسیر سورۃ الاحزاب:28-29 کی تفسیر، سورۃ التحریم کی تفسیر، سورۃ الفیل کی تفسیر، وغیرہ ان تمام مقامات کی تفسیر نظم کے یکسر خلاف ہے۔

13 معجزات کا انکار، یا ان کی عجیب و غریب توجیہ و تاویل تا کہ ان کی معجزانہ حیثیت باقی نہ رہے، اس کی تفصیل ''قرآنی معجزات کا انکار'' عنوان کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔

14 اسلامی مسلّمات کا انکار، جیسے معراج کا انکار، نزول عیسیٰ اور ان کے رفع آسمانی کا انکار، دجّال کا انکار اور اس کا استہزاء وغیرہ۔

15 اجماع کا انکار، جیسے حدّ رجم کا انکار جس پر صحابۂ کرام سمیت پوری امت کا اجماع ہے۔

16 شریعت سازی کا ارتکاب، جیسے غنڈہ گردی کی تعزیری سزا رجم قرار دینا جب کہ اسلام میں

سرے سے کسی نے رجم کو غنڈہ گردی کی سزا قرار نہیں دیا۔ یا اس کو محاربہ کی سزا قرار دینا جب کہ محاربہ کی جو سزائیں اور ان کی شرائط قرآن میں بیان ہوئی ہیں، ان میں سے کوئی بھی مفروضہ غنڈہ گردی میں نہیں پائی جاتی۔

17 اپنے خانہ ساز نظریۂ رجم کے اثبات کے لیے صحابہ وصحابیہ جیسی مقدس ہستیوں کو غنڈہ، عادی اور پیشہ ور زانی یا ان کو چکلہ چلانے والا باور کرانا۔ نعوذ باللہ من ذلک

مولانا اصلاحی صاحب کی شروح ''صحیح بخاری'' اور تفسیر ''تدبر قرآن'' میں اس طرح کی اور بھی متعدد بڑی بڑی غلطیاں ہیں جسے قارئین کرام کتاب میں ملاحظہ فرمائیں گے، یہاں تو ''مشتے از خروارے'' کے تحت چند نمایاں باتیں ہی پیش کی گئی ہیں۔ مثلاً شرح صحیح بخاری میں اصلاحی صاحب نے بیسیوں صحیح روایات کا انکار، امام بخاری کی عظمت اور ''صحیح بخاری کی مسلمہ اہمیت کا انکار کیا ہے، راویان حدیث، بالخصوص امام ابن شہاب زہری وغیرھم پر بے بنیاد اور بے سروپا اعتراضات کر کے حدیث اور ائمۂ حدیث کے خلاف اپنے بغض وعناد کا بھرپور مظاہرہ کیا ہے۔ وغیرہ وغیرہ

الحمدللہ! راقم نے ان تمام انحرافات اور گمراہیوں کا تفصیل سے اور مدلل انداز سے جائزہ لیا ہے، بعون اللہ وتوفیقہ۔ اگرچہ اور بھی بعض اہل علم نے یہ تنقیدی کام کیا ہے جس کی ضروری تفصیل یا بعض حضرات کی تحریروں کا خلاصہ بھی اس کتاب میں شامل کر دیا گیا ہے لیکن اس طرح کا تفصیلی نقد، جس کی توفیق سے اللہ نے راقم کو نوازا ہے، ابھی تک اس کا اہتمام کسی صاحب علم و تحقیق کی طرف سے نہیں ہوا ہے، یہی وجہ ہے کہ اکثر اہل علم اس فکر فراہی کی اصل حقیقت سے ناآشنا ہیں بلکہ اس فکر فراہی کو قرآن فہمی کی شاہ کلید قرار دینے میں بھی تأمل نہیں کرتے۔

ایسا کیوں ہے؟ اس کی متعدد وجوہات ہیں:

مثلاً اصلاحی صاحب کی تحریروں میں سخت تضاد ہے، بالخصوص ان کے دور اول کی تحریروں میں بالعموم

اس طرح کی عظیم گمراہیاں نہیں ہیں، اکثر اہل علم کے ذہنوں میں ان کی انہی تحریروں کا نقش قائم ہے۔ دوسرے دور کی تحریریں یا تو انہوں نے پڑھی نہیں ہیں، یا اگر پڑھی ہیں تو ان کی عظمت کے نقش نے، جو ان کے ذہنوں میں بیٹھا ہوا ہے، ان کی مذکورہ غلطیوں کی طرف ان کا ذہن منتقل ہی نہیں ہونے دیا۔

❶ بعض لوگ ان کی علمی شہرت کی وجہ سے پڑھے بغیر ہی ان کی علمی عظمت کا ہیولیٰ اپنے دماغوں میں بٹھائے ہوئے یا ان کی عقیدت وارادت کے بت اپنے حریم دل کے طاقوں میں سجائے ہوئے ہیں۔

❷ بعض لوگ اپنے یا اپنے بزرگوں کے ساتھ مولانا اصلاحی کے دیرینہ تعلقات کو نبھاتے ہوئے ان پر علمی تنقید کو ناپسند کرتے ہیں، یا تعلق کے نازک آبگینے کو ٹھیس پہنچانا نہیں چاہتے۔

❸ ان کا حلقۂ ارادت اور حلقۂ تلمذ تو اس غلوِ عقیدت کا شکار ہے کہ ان کی کسی غلطی کو غلطی تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہے بلکہ ان کی غلطی بھی ان کے نزدیک ''عظیم خدمت'' ہے۔ جیسے ان کے ایک شاگرد نے اصلاحی صاحب کی بعض صحیح بخاری کی روایات کے انکار کو ان کا ''کارنامہ'' قرار دیا ہے، جیسے حدیث ہرقل پر مولانا اصلاحی کی تنقید ہے۔ اسی طرح حدِ رجم کی متفق علیہ احادیث اور اجماعی حد کے انکار کو یہ طبقہ مولانا فراہی ومولانا اصلاحی کا عظیم کارنامہ سمجھتا ہے اور اس کارنامے پر ان کو خراجِ تحسین پیش کرتا ہے۔ (دیکھیے: شش ماہی ''علوم القرآن''، علی گڑھ (بھارت) مولانا اصلاحی نمبر اور جاوید احمد غامدی کی ''میزان'') عقیدت کے ان اندھوں نے ان کو ''امام معصوم'' کا درجہ دے رکھا ہے۔

❹ بعض علمی ودینی رسائل کے مدیرانِ گرامی مولانا اصلاحی پر تنقید کو اس لیے نامناسب سمجھتے ہیں کہ اس سے ان کے کچھ قارئین کرام ناگواری محسوس کریں گے، ان کے نزدیک یہ دنیوی مصلحت عظیم تر دینی مصلحتوں اور احقاقِ حق کے فریضے سے زیادہ اہم ہے۔

اس کوتاہیٔ فکر یا مصلحت پر ہم سوائے إنا لله وإنا إليه راجعون پڑھنے کے اور کیا کر سکتے ہیں؟

مذکورہ قسم کے افراد کے لیے تو ظاہر بات ہے کہ مولانا اصلاحی کے زیغ وضلال پر مبنی افکار پر تنقید یا تو

نا قابل برداشت ہے یا غیر اہم۔لیکن جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے کج فکری وکج روی سے محفوظ رکھا ہے اور وہ قرآن وحدیث کے فہم وتعبیر میں سلف، یعنی صحابہ وتابعین کے منہج ہی کو حق سمجھتے ہیں، اسی طرح ان کے نزدیک ذاتی تعلقات اور دنیوی مصلحتیں، دینی وایمانی تقاضوں کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں، ان کے لیے فکر فراہی واصلاحی کی اس عظیم گمراہی کی وضاحت یقیناً ان کی ایمانی بصیرت وایقان میں زیادتی کا باعث اور ان کے قلب وذہن کی تسکین میں اضافے کا ذریعہ ثابت ہوگی۔ان شاءاللہ العزیز۔

ولو کره الكافرون والمنكرون للحديث۔

دو مثالوں سے مذکورہ نکتے کی وضاحت

اوپر بعض مدیران جرائد کے کردار کا جو ذکر آیا ہے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کا دستاویزی ثبوت بھی قارئین کرام کے سامنے پیش کر دیا جائے، کیونکہ یہ بھی تاریخ کا حصہ ہے اور تاریخی ریکارڈ کے طور پر اس کی محفوظیت میں افادیت کے کئی پہلو ہو سکتے ہیں، بالخصوص ان مدیران کا یہ پہلو کہ حق کے معاملے ان حضرات نے مداہنت، مصلحت یا ذاتیات کو زیادہ اہمیت دی دراں حالیکہ حق، اہل حق کے نزدیک، سب سے زیادہ اہم اور سب مصلحتوں پر بالا ہونا چاہیے، اس مداہنت کی دو مثالیں ملاحظہ ہوں:

1. ماہنامہ ''شمس الاسلام'' بھیرہ نے ''مولانا اصلاحی نمبر'' شائع کیا جسے پڑھ کر لاہور کے ایک صاحب۔ پروفیسر طارق بٹ صاحب۔ نے تنقیدی تبصرہ تحریر کیا اس میں غامدی صاحب کو اصلاحی صاحب کا گناہ جاریہ بھی لکھا، یہ تبصرہ ماہنامہ ''البرہان'' لاہور میں شائع ہوا، راقم نے یہ تبصرہ پڑھ کر یہ مناسب خیال کیا کہ مدیر ''البرھان'' کو مولانا اصلاحی کی ''تدبر قرآن'' پر اپنی تحریر کردہ تنقید اشاعت کے لیے بھیجی جائے تاکہ ''البرھان'' کے قارئین کے علم میں بھی اصلاحی صاحب کی گمراہیاں آجائیں۔ چنانچہ راقم نے زیر ترتیب مسودے کا ایک حصہ ڈاکٹر محمد امین صاحب مدیر ''البرھان'' کو بھیج دیا، اور حسب ذیل مکتوب بھی ان کے نام لکھا:

محترم ڈاکٹر محمد امین صاحب حفظکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جنوری 2017ء کے ''البرھان'' میں ''شمس الاسلام'' کے مولانا اصلاحی نمبر پر پروفیسر طارق بٹ صاحب کا تبصرہ پڑھ کر بڑی خوشی ہوئی کہ اصلاحی صاحب کی مداحی کے نقار خانے میں ایک صدائے حق تو سنائی دی۔ ع

مرحبا مؤذن بروقت بولا   تری آواز مکّے اور مدینے

واقعہ یہ ہے کہ حمید الدین فراہی اور امین احسن اصلاحی کے بے بنیاد بلند بانگ دعووں کو اکثر اہل علم نے غور فکر کیے بغیر تسلیم کرلیا اور ان کے انداز تفسیر پر تحسین ومدح کے ڈونگرے برسانے شروع کردیے، حالانکہ فراہی انداز تفسیر، جس کی داغ بیل حمید الدین فراہی نے ڈالی اور اصلاحی صاحب نے اسے بام عروج پر پہنچایا، سراسر حدیث کے انکار اور مسلّمات اسلامیہ سے انحراف پر اور مفسرین امت کی تجہیل پر مبنی ہے۔

اس شجر خبیثہ سے غامدی جیسے حنظل ہی پیدا ہونے ہیں، اصلاحی صاحب کا گناہ جاریہ صرف جاوید احمد غامدی ہی نہیں بلکہ ان کی ''مبادئ تدبر حدیث''، تفسیر ''تدبر قرآن'' اور شرح صحیح البخاری بھی ہیں، لیکن بہت سے اہل علم اس زہر ہلاہل کو قرآن وحدیث کی ''عظیم خدمت'' قرار دیتے ہیں۔

راقم آج کل اللہ کی توفیق سے اس فراہی گروہ کی حدیث دشمنی اور اس کے زیغ وضلال کو مدلل انداز سے واضح کرنے میں مصروف ہے، اس کی تکمیل کی خصوصی دعا کی درخواست ہے۔

اس کا ایک حصہ، جس میں اصلاحی صاحب کے تفسیری اصولوں کا جائزہ لیا گیا ہے، ''البرھان'' میں شائع کرنے کے لیے ارسال ہے تاکہ اہل علم اس فتنے کی خطرناکی وگہرائی کو سمجھ سکیں۔

امید ہے مزاج گرامی بخیر ہوں گے اور اسے چند اقساط میں شائع فرما کر ممنون فرمائیں گے۔

والسلام (حافظ) صلاح الدین یوسف

مشیر وفاقی شرعی عدالت پاکستان

124/40 شاداب کالونی علامہ اقبال روڈ گڑھی شاہو لاہور

17 فروری 2016ء

مضمون موصول ہونے پر ڈاکٹر صاحب موصوف نے فون پر تلخیص کے ساتھ شائع کرنے کی اجازت مانگی جو ان کو دے دی گئی۔ موصوف نے ایک قسط ملخصاً شائع کی اور پھر یہ کہہ کر معذرت کر لی کہ بعض معاونین نے اس کی اشاعت کو پسند نہیں کیا، اس لیے مضمون کی مزید اشاعت ممکن نہیں۔

دوسری مثال: ماہنامہ ''شمس الاسلام'' بھیرہ کے مدیر نے پروفیسر طارق بٹ صاحب کے جواب میں مضمون لکھا جس میں پروفیسر موصوف کے خوب لتّے لیے اور اسے ''البرھان'' کے علاوہ ''المنبر'' فیصل آباد (مئی، جون، 2016ء میں شائع کروایا، ''المنبر'' میں شائع ہونے کے بعد راقم نے مدیر ''المنبر'' کو حسب ذیل خط لکھا اور زیر تحریر مسودے کا کچھ حصہ بھی بھیجا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مکرمی مدیر صاحب

السلام علیکم

ماہنامہ ''البرھان'' لاہور میں ماہنامہ ''شمس الاسلام'' بھیرہ کے ایک خصوصی نمبر پر ایک پروفیسر صاحب کا تنقیدی تبصرہ شائع ہوا تھا جو مولانا امین احسن اصلاحی صاحب کی خدمات اور ان کے افکار، بالخصوص ان کے تفردات پر مشتمل تھا۔

اس کے جواب میں ان کے ایک فیض یافتہ اور عقیدت مند جناب انوار احمد بگوی صاحب نے ایک طول طویل اور گرما گرم مکتوب تحریر کیا جس میں انہوں نے پروفیسر صاحب مذکورہ کو بے نقط سنانے کے علاوہ یہ الزام بھی لگایا کہ مولانا اصلاحی صاحب پر تنقید بلا جواز اور بغض وعناد کا نتیجہ ہے۔

حالانکہ یہ تأثر یکسر خلاف واقعہ ہے، اصلاحی صاحب دنیا سے جا چکے ہیں، اب ان سے کس نے بغض وعناد رکھنا ہے؟ اصل بات صرف یہ ہے کہ شروح بخاری (دو جلدیں) اور تفسیر تدبر قرآن (9 جلدیں) کی صورت میں گمراہی کا بہت بڑا پلندہ چھوڑ گئے ہیں، صحیح الفکر علماء اور مسلّمات اسلامیہ کے قائل اہل سنت کو یہ فکر ہے کہ اس سے لوگ گمراہ ہو رہے ہیں، کیونکہ اس میں متعدد مسلّمات اسلامیہ کا انکار ہے۔ مثلاً معراج

جسمانی کا انکار ہے، حیات ونزول عیسیٰ کا انکار ہے، حدّ رجم کا انکار ہے، جنت میں رؤیت باری تعالیٰ کا انکار ہے، پل صراط کا انکار ہے، خروج دجال وظہور یاجوج وماجوج کا انکار ہے، متعدد معجزات قرآنی کا انکار ہے۔ (جیسے حضرت موسیٰ کے فلق بحر کا انکار، حضرت داؤد کے لوہے کی نرمی سے انکار، حضرت ایوب کے ایڑی مارنے سے چشمے کے پھوٹ پڑنے سے انکار، ابرہہ کے لشکر کو طیر ابابیل کے کنکریاں مارنے سے انکار، وغیرہ) حدیث وسنت کی اختراعی تعریف کرکے حدیث کی حجیت سے انکار اور صحیحین سمیت تمام صحیح احادیث کو ظنی اور مشکوک قرار دینا اور سنت سے مراد صرف امت کے تواتر عملی کو قرار دینا، وغیرہ، بگوی صاحب خود وضاحت فرمادیں کہ یہ قابل تعریف تفردات ہیں یا سراسر زیغ وضلال ہے؟۔

اگر بگوی صاحب فرمائیں کہ مذکورہ باتیں ان پر اتہام ہیں، تو ان کا بار ثبوت راقم کے ذمے ہے۔ ان شاء اللہ ایک ایک بات کا ثبوت۔ ناقابل تردید ثبوت۔ راقم مہیا کرے گا۔

ایک دوسری تشویش ناک بات یہ ہے کہ سطح بین حضرات یا ان کے حلقۂ ارادت نے ان کے گرد عظمت کا ایسا ہالہ بُن دیا ہے کہ ان کے گمراہانہ اور انکار حدیث پر مبنی تفردات کو ''علمی شاہکار'' باور کرایا جارہا ہے۔

ان حالات میں نہایت ضروری ہے کہ فراہی گروہ کے افکار کا، جس کے سب سے بڑے حامی اور شارح اصلاحی صاحب ہیں، تفصیلی جائزہ لیا جائے۔ الحمدللہ، اللہ تعالیٰ کی توفیق سے راقم نے اس پر کام شروع کیا ہوا ہے۔ اصلاحی صاحب نے اپنی ''شروح بخاری'' اور تفسیر ''تدبر قرآن'' میں صحیح احادیث کے برخلاف جہاں جہاں اپنے تفردات کا اظہار اور مسلّمات اسلامیہ کا انکار کیا ہے، اس پر تحقیق وتنقید کا کام جاری ہے وبیداللہ التوفیق والتکمیل

راقم کو اصلاحی صاحب سے نہ کوئی بغض وعناد ہے اور نہ ان کی علمی حیثیت سے انکار۔ لیکن اصل بات گمراہانہ افکار کی ہے، کسی کے علم وفضل کے حوالے سے گمراہی کو سند جواز نہیں دی جاسکتی اور نہ علمی دلائل سے ان کی تردید وتغلیط سے گریز ہی کیا جاسکتا ہے۔ یہ علمائے حق اور پاسداران مسلک سلف اور حدیث رسول

کے محافظین کی ذمے داری ہے۔ رہی بھی ہے اور رہے گی بھی۔ کہ وہ باطل کی سرکوبی اور مسلک اہل سنت کی اپنی طاقت اور وسائل کے مطابق حفاظت کریں۔

راقم، بگوی صاحب کے مکتوب کے جواب میں اپنی زیر تسوید کتاب کا ایک حصہ ''المنبر'' میں اشاعت کے لیے بھیج رہا ہے، اسے چند قسطوں میں شائع فرما دیں تا کہ بے خبروں کو بھی ان تلخ حقائق کی خبر ہو جائے اور وہ باخبروں پر بلا وجہ بغض وعناد رکھنے کا الزام نہ دھریں۔

مدیر ''المنبر'' پسند فرمائیں گے تو مزید حصے بھی پیش خدمت کر دیے جائیں گے۔

والسلام

صلاح الدین یوسف لاہور

28 مئی 2016ء

صد افسوس: ''المنبر'' کے فاضل مدیر نے نہ صرف یہ کہ مضمون شائع نہیں کیا بلکہ یہ مکتوب بھی شائع کرنا پسند نہیں کیا۔ حالانکہ علمی دیانت اور صحافتی ذمے داری کا تقاضہ یہ تھا کہ کم از کم یہ مکتوب شائع کر دیا جاتا تا کہ تصویر کا دوسرا رخ بھی قارئین ''المنبر'' کے سامنے آجاتا۔ اس سے تو یہی تاثر سامنے آتا ہے کہ ''المنبر'' کے مدیر موصوف بھی بگوی صاحب کے ہم نوا ہیں اور اصلاحی صاحب کی گمراہیوں کو گمراہیاں سمجھنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ فإناللّٰه و إنا إليه راجعون۔

اہل علم سے گزارش

بہر حال اب الحمد للہ یہ سارا علمی مواد کتابی شکل میں زیور طباعت سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آ گیا ہے۔ اہل علم ملاحظہ فرمائیں، اگر اس میں اہل سنت کے مسلک سے انحراف ہے تو اس کی ضرور نشاندہی کریں کیونکہ مقصود مولانا اصلاحی پر تنقید نہیں ہے، ان کے افکار پر تنقید ہے اور ان کے افکار پر تنقید اس لیے ہے کہ وہ سراسر باطل ہیں، ان میں مسلّمات اسلامیہ کا انکار ہے، احادیث صحیحہ سے انکار ہے، تمام مفسرین امت کی

تجہیل اور راویان حدیث اور ائمۂ حدیث کے خلاف بغض وعناد کا اظہار ہے۔

بالخصوص حدیث کے بارے میں موصوف کا نظریہ بالکل منکرین حدیث والا ہے، اس طرح قرآنی معجزات میں نیچریوں والا ہے جو معجزات کے منکر ہیں تفسیر میں صحیح روایات سے ہٹ کر من مانی تفسیر کی ہے۔ جس سے مفسرین امت کی تجہیل لازم آتی ہے۔

یہ محض اتہامات اور الزامات نہیں ہیں، وہ حقائق ہیں جو اس کتاب میں مدلل انداز سے پیش کیے گیے ہیں۔ ان کے حلقۂ ارادت، یا ان کے سلسلۂ تلمذ سے وابستہ حضرات کو اس کے بعد بھی اگر یہ اصرار ہے کہ ہماری کتاب میں بیان کردہ مذکورہ حقائق ''گمراہیاں'' نہیں ہیں، ان میں مسلّمات اسلامیہ کا انکار نہیں ہے، قرآنی معجزات کی بے بنیاد تاویل نہیں ہے، مسلکِ سلف یعنی اہل سنت کے مسلک اور احادیث صحیحہ کے خلاف نہیں ہے تو ان کی ذمہ داری ہے کو وہ دلائل کے ذریعے سے اپنے ممدوح یا معصوم امام کی عصمت ثابت کریں۔

﴿قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾

تحسین وشکریہ

آخر میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کا شکر کہ اس نے فکر فراہی کی سرکوبی کی توفیق سے نوازا جو تقریباً ایک صدی سے ''نظم قرآن'' کے خوش نما عنوان سے احادیث صحیحہ کا انکار کر کے مسلّمات کا بھی انکار کر رہا ہے اور قرآن کریم کی بھی من مانی تفسیر کر رہا ہے جس سے بہت سی حقیقتوں کا خون ہو رہا ہے۔ فللّٰہ الحمد علیٰ ذٰلک الف الف مرّۃ۔

دوسرے نمبر پر المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر (ڈیفنس کراچی) کے ذمے داران درجہ بہ درجہ تحسین و شکریہ کے مستحق ہیں جن کے خصوصی تعاون اور حوصلہ افزائی سے یہ نہایت قابل قدر علمی کام پایۂ تکمیل پہنچا۔ جزاهم الله احسن الجزاء و تقبل الله جهودهم ووفقهم لمزيد مرضاته ۔مرکز کے سرپرست اعلیٰ

الشیخ علامہ عبداللہ ناصر الرحمانی بھی سزاوار تحسین وشکریہ ہیں جنہوں نے ہماری درخواست پر نہایت وقیع مقدمہ تحریر فرما کر راقم کی بھی اور ادارے کی بھی قدر افزائی فرمائی، جس سے یقیناً کتاب کی اہمیت اور قدر وقیمت بھی دوچند ہوگئی، فجزاہ اللہ احسن الجزاء وبارک فی علمہ وجھودہ۔

تیسرے نمبر پر وحید احمد صاحب کا شکریہ، یہ صاحب ایک تجارت پیشہ دوست ہیں لیکن مطالعہ اور کتب بینی کا شوق فراواں رکھتے ہیں، برصغیر پاک وہند کی علمی کتابوں پر ان کی نظر ہے اور وہ ان کے زیر مطالعہ رہتی ہیں۔ انہوں نے کتابوں کی فراہمی، بالخصوص فراہی صاحب کی تالیفات اور ان کی مدح وتنقید پر لکھا گیا لٹریچر میں بہت تعاون کیا، ورنہ راقم عمر اور صحت کے جس مرحلے میں ہے، اس کے لیے ان کا حصول یا ان تک رسائی تقریباً ناممکن تھی، ان کے خصوصی تعاون نے یہ مرحلہ ہفت خواں آسانی سی طے کروادیا جس پر وہ بجا طور پر زیادہ سے زیادہ شکریے کے مستحق ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو ان کے اس علمی اور بے لوث تعاون کی بہترین جزا دنیا وآخرت میں عطا فرمائے۔ آمین۔

بدعت
اور اس کی حقیقت

قسط نمبر 1

حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ [1]

دین اسلام جو تمام انبیاء علیہم السلام کا دین رہا ہے، اس کی بابت اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ وَاَتۡمَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ نِعۡمَتِیۡ وَرَضِیۡتُ لَکُمُ الۡاِسۡلَامَ دِیۡنًا﴾(المائدہ:3)

’’آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی اور میں نے تمہارے لیے اسلام کو دین کے طور پر پسند کر لیا۔‘‘

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے تین باتیں بیان فرمائی ہیں:

1. دین اسلام کی تکمیل کا اعلان۔
2. اس کو اپنی نعمت قرار دے کر اس کے اتمام کی وضاحت۔
3. اور اس کو اپنا پسندیدہ دین قرار دینا۔

تکمیل کے اعلان سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اب اس دین میں، جس کو قرآن وحدیث میں محفوظ کر دیا گیا ہے، کوئی کمی بیشی نہیں ہوسکتی۔ یہ بھی واضح ہو گیا کہ اب ہدایت ونجات بھی صرف قرآن وحدیث ہی پر عمل کرنے پر منحصر ہے۔ کوئی کمی بیشی کرے گا وہ بھی نامنظور اور جو ان سے انحراف کرے گا وہ بھی نامقبول۔ اسی

[1] مشیر وفاقی شرعی عدالت، نگران شعبہ تحقیق وتصنیف المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر کراچی

لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

《 تَرَكْتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا كِتَابَ اللّٰهِ وَسُنَّةَ نَبِيِّهِ 》[1]

''میں تمہارے اندر دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں، جب تک تم ان کو مضبوطی سے پکڑے رہو گے، ہرگز گمراہ نہیں ہو گے، (وہ دو چیزیں ہیں) اللہ کی کتاب اور اس کے نبی کی سنت۔''

یہی وہ صراط مستقیم ہے جس پر چلنے والا ہی جنت میں جائے گا:

﴿وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ﴾ (الانعام 153)

''یہ میرا سیدھا راستہ ہے، پس تم اسی کی پیروی کرو اور دوسرے راستوں کی طرف مت جانا، وہ تمہیں اس سیدھے راستے سے بھٹکا دیں گے۔''

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے پیغمبر کی زبانِ مبارک سے یہ کہلوا کر کہ میرا ہی راستہ سیدھا راستہ ہے، یہ واضح فرما دیا کہ میرے پیغمبر کا بتلایا ہوا راستہ ہی سیدھا راستہ ہے اور پیغمبر اسلام کا راستہ کون سا ہے؟ قرآن کریم اور اس کی وہ قولی اور عملی تشریح ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ﴿وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ﴾ ''ہم نے یہ قرآن آپ پر نازل کیا تا کہ آپ اس میں بیان کردہ ان احکام کی تبیین وتشریح کریں جو لوگوں کے لیے نازل کیے گئے ہیں۔'' کے حکم کے تحت بیان فرمائی۔ اس سے معلوم ہوا کہ صراط مستقیم صرف قرآن وحدیث کا اتباع ہے۔

اس کی وضاحت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک حدیث میں اس طرح فرمائی، سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

《خَطَّ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطًّا، ثُمَّ قَالَ هَذَا سَبِيلُ اللّٰه، ثُمَّ خَطَّ خُطُوطًا عَنْ يَمِينِهِ وَعَنْ شِمَالِهِ وقال: هَذِهِ سُبُلٌ قالَ يزيد متفرقة ،على كل سبيل

---

[1] مؤطا امام مالک، کتاب القدر، باب 1، ج 2، ص 899، طبع مصر

منها شیطان یدعو إلیه، ثُمّ قَرَأَ هَذِهِ الآیة »[1]

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک خط کھینچا اور فرمایا: ''یہ اللہ کا راستہ ہے۔'' اور کچھ خطوط اس کے دائیں جانب اور کچھ خطوط اس کی بائیں جانب کھینچے اور فرمایا: ''یہ مختلف راستے ہیں اوران میں سے ہر راستے پر شیطان بیٹھا ہوا ہے، وہ ان کی طرف لوگوں کو بلاتا ہے۔'' اور پھر آپ نے وہی (سورۃ الانعام کی مذکورہ) آیت پڑھی۔''

قرآن کریم میں بھی صراطِ مستقیم کے لیے واحد کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی ایک ہی خط کھینچ کر اسے اللہ کا راستہ بتلایا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کا، قرآن کریم کا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا راستہ ایک ہی ہے، ایک سے زیادہ نہیں۔ اس لیے پیروی صرف اسی ایک راستے کی کرنی ہے، کسی اور کی نہیں۔ یہی امت مسلمہ کی وحدت واجتماع کی بنیاد ہے جس سے ہٹ کر یہ امت مختلف فرقوں اور گروہوں میں تو بٹ سکتی ہے جیسے کہ بٹی ہوئی ہے مگر مجتمع نہیں ہوسکتی۔

علاوہ ازیں یہ راستہ جس طرح ایک ہے، اس طرح واضح بھی ہے، اس میں نہ ابہام ہے اور نہ اس کا سمجھنا مشکل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

«قد ترکتکم علی البیضاء لیلها کنهارها، لا یزیغ عنها بعدي إلا هالك» [2]

''میں تمھیں ایک روشن دین پر چھوڑ کر جارہا ہوں، جس کی رات بھی دن کی طرح روشن ہے، میرے بعد اس سے انحراف وہی شخص کرے گا جس کے مقدر میں ہلاکت ہوگی۔''

اس لیے جس طرح یہ ایک راستہ ہی ہدایت اور نجات کا ہے، اسی طرح اختلاف وانشقاق سے بچنے کا واحد طریقہ بھی اسی راستے کا اتباع ہے۔ یہی وجہ ہے کہ باہمی اختلافات کے خاتمے کے لیے ہمیں اصول دیا گیا ہے:

---

[1] الموسوعة الحدیثیة: 7/208 شیخ احمد محمد شاکر مصری مرحوم نے اسے صحیح کہا ہے۔ دیکھیے مسند احمد بہ تحقیق احمد شاکر۔ 6/89، رقم۔ 4142

[2] ابن ماجہ، المقدمہ، حدیث: 43

﴿فَاِنۡ تَنَازَعۡتُمۡ فِىۡ شَىۡءٍ فَرُدُّوۡهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوۡلِ اِنۡ كُنۡتُمۡ تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ﴾(النساء:59)

''اگر کسی چیز کی بابت تمہارا آپس میں جھگڑا ہو جائے تو تم اس کو اللہ اور رسول کی طرف لوٹا دو، اگر تم (واقعی) اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔''

اللہ اور رسول کی طرف لوٹانے کا مطلب، قرآن و احادیثِ صحیحہ کی طرف رجوع کرنا اور ان کی روشنی میں اختلاف و نزاع کا فیصلہ کرنا ہے۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں فیصلے کرنے سے انقباض ہو تو قرآن کہتا ہے کہ ایسے دعوے دارانِ ایمان کا ایمان ہی مشکوک ہے۔ اعاذنا اللہ منہ۔ چنانچہ فرمایا:

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوۡكَ فِيۡمَا شَجَرَ بَيۡنَهُمۡ ثُمَّ لَا يَجِدُوۡا فِىۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيۡتَ وَيُسَلِّمُوۡا تَسۡلِيۡمًا﴾(النساء:65)

''آپ کے رب کی قسم یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک یہ اپنے آپس کے اختلافات میں آپ کو حَکَم (ثالث) نہیں مانتے، نیز آپ کے فیصلوں پر اپنے دلوں میں کوئی تنگی بھی محسوس نہ کریں اور پوری خواہش دلی سے ان کو تسلیم کرلیں۔''

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤۡمِنٍ وَّلَا مُؤۡمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗۤ اَمۡرًا اَنۡ يَّكُوۡنَ لَهُمُ الۡخِيَرَةُ مِنۡ اَمۡرِهِمۡ ؕ وَمَنۡ يَّعۡصِ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ فَقَدۡ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيۡنًا﴾(الاحزاب:36)

''کسی مومن مرد اور مومن عورت کے لیے یہ لائق نہیں کہ اللہ اور اس کے رسول کا فیصلہ آجانے کے بعد وہ اپنے معاملے میں اپنا حقِ اختیار استعمال کریں اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی اختیار کی، وہ یقیناً کھلی گمراہی میں جا پڑا۔''

اس آیت میں واضح طور پر دو باتیں ارشاد فرمائی گئی ہیں:

1. اللہ اور اس کا رسول جب کسی بات کا فیصلہ فرما دیں تو اس کے مقابلے میں اپنی رائے پر اصرار اور اپنا

حقِ اختیار استعمال کرنے کی روش، یہ کسی مومن مرد یا عورت کا کام نہیں۔

2 اور جو ایسا کرے گا وہ اللہ اور اس کے رسول کا نافرمان اور کھلا گمراہ ہے۔

اور اللہ رسول کی نافرمانی اور گمراہی کا راستہ اختیار کرنے کی جو سزا ہے، ہر مسلمان اس سے آگاہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے محفوظ رکھے۔ اس کی سزا دنیا میں بھی مل سکتی ہے اور آخرت میں عذاب الٰہی کی صورت میں تو یقینی ہی ہے۔

﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ (النور:63)

''پس جو لوگ اس (اللہ کے رسول) کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں، انہیں اس بات سے ڈرنا چاہیے کہ کہیں ان پر کوئی آزمائش آجائے یا دردناک عذاب انہیں آلے۔''

اسلام کی کاملیت پر ایک صحابی کا فخریہ اظہار

بہرحال یہ بات ہو رہی تھی کہ اسلام ایک کامل و مکمل دین ہے، اتنا مکمل ہے کہ بعض مشرکینِ مکہ نے اعتراض اور طعن کے طور پر سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے کہا:

«قَدْ عَلَّمَكُمْ نَبِيُّكُمْ كُلَّ شَيْءٍ، حَتَّى الْخِرَاءَةَ»

''تمہارا نبی تمہیں ہر چیز سکھاتا ہے حتیٰ کہ یہ بھی بتلاتا ہے کہ تم قضائے حاجت اس طرح کرو۔''

سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

«أَجَلْ، لَقَدْ نَهَانَا أَنْ نَسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةَ لِغَائِطٍ أَوْ بَوْلٍ، أَوَ أَنْ نَسْتَنْجِيَ بِالْيَمِينِ، أَوْ أَنْ نَسْتَنْجِيَ بِأَقَلَّ مِنْ ثَلَاثَةِ أَحْجَارٍ، أَوْ أَنْ نَسْتَنْجِيَ بِرَجِيعٍ أَوْ بِعَظْمٍ.»[1]

''ہاں بلاشبہ آپ نے ہمیں منع فرمایا کہ ہم پاخانہ پیشاب کرتے وقت اپنا رخ قبلہ کی طرف کریں، یا دائیں ہاتھ سے استنجا کریں، یا تین ڈھیلوں سے کم کے ساتھ استنجا کریں، یا لید یا ہڈی سے استنجا کریں۔''

[1] صحیح مسلم، الطهارة، باب الاستطابة، حدیث 262

یعنی سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ نے اس مشرک کی بات پر شرمندگی محسوس نہیں کی بلکہ بڑے فخر سے اسلام کی کاملیت کا اظہار واعتراف فرمایا، کیونکہ یہ کاملیت بلاشبہ اسلام کا امتیاز ہے، ایسا کامل دین، مکمل دستورِ حیات اور جامع نظامِ زندگی اسلام کے علاوہ کوئی نہیں ہے۔ اسی لیے امام مالک رحمہ اللہ نے بجا طور پر فرمایا تھا:

«من ابتدع في الإسلام بدعةً يراها حسنة فقد زعم أن محمدًا صلى الله عليه وسلم خان الرسالة، لأن الله يقول: ﴿ٱلۡيَوۡمَ أَكۡمَلۡتُ لَكُمۡ دِينَكُمۡ﴾ فما لم يكن يومئذ دينًا فلا يكون اليوم دينًا۔»[1]

''جس نے اسلام میں (دین سمجھ کر) کوئی بدعت ایجاد کی اور اس کو اچھا سمجھا (اس کو 'بدعت حسنہ' باور کیا یا کرایا) تو اس نے یقیناً یہ خیال کیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رسالت کی ادائیگی میں خیانت کی، اس لیے کہ اللہ تو فرماتا ہے: ''آج میں نے تم پر تمہارا دین مکمل کر دیا۔'' پس جو کام اُس (تکمیل دین کے) وقت دین نہیں تھا، وہ آج بھی دین (اجر وثواب والا کام) نہیں ہوسکتا۔''

علاوہ ازیں بدعتی اللہ کے اس فرمان کو بھی جھٹلاتا ہے، اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے میں نے دین مکمل کر دیا لیکن بدعتی اپنے طرزِ عمل سے کہتا ہے کہ نہیں، دین مکمل نہیں ہوا اس میں تو فلاں فلاں رسم، فلاں فلاں عمل اور فلاں فلاں جشن بھی ہونا چاہیے تھا۔ یا پھر وہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ (نعوذ باللہ) بھول گیا کہ اس نے فلاں اور فلاں عمل کی بابت کچھ بتلایا ہی نہیں، حالانکہ وہ تو بہت ضروری تھا، کیا یہ اللہ کی توہین نہیں، اس پر طعن نہیں؟ اللہ تعالیٰ نے تو اپنی بابت فرمایا ہے:

﴿وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا﴾ (سورہ مریم:64)

''آپ کا رب بھولنے والا نہیں ہے۔''

---

[1] الاعتصام، للامام الشاطبی: 1/ 64،65، بہ تحقیق سلیم الھلالی، طبع 1992ء

لیکن بدعتی خیال کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بھول گیا، نعوذبالله من هذا الزيغ والضلال

❁ بدعتی بدعت ایجاد کر کے اللہ کے رسول پر خیانت کا الزام لگاتا ہے۔

❁ اللہ کے فرمان کو جھٹلاتا ہے۔ یا پھر

❁ اللہ کو سہو ونسیان کا مرتکب گردانتا ہے (والعیاذ باللہ)

❁ اور اللہ اور اس کے رسول سے پیش قدمی کرتا ہے، حالانکہ اللہ رسول سے پیش قدمی کرنا منع ہے۔

﴿يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ (الحجرات:1)

''اے ایمان والو! تم اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو اور اللہ سے ڈرو۔''

اہل ایمان کا شیوہ تو طاعت و بندگی اور سمع و اطاعت ہوتا ہے اور ایسے مومن ہی کامیاب و بامراد ہوتے ہیں:

﴿اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ﴾

''بس مومنوں کا تو شیوہ ہی یہ ہے کہ جب ان کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جائے تا کہ وہ ان کے مابین فیصلہ کریں تو وہ کہتے ہیں: ہم نے سُنا اور اطاعت کی اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے اور اللہ سے ڈرے اور اس کا تقویٰ اختیار کرے تو وہی لوگ کامیاب ہیں۔''

ابتدائے اسلام کی طرح آج بھی اسلام غریب (اجنبی) ہے

یہ حقیقت بڑی افسوس ناک ہے کہ آج مدّعیانِ اسلام کی اکثریت اتباعِ رسول کے بجائے ابتداع (بدعت سازی) کے راستے پر گامزن ہے۔ آئے دن کوئی نہ کوئی بدعت ایجاد کر لی جاتی ہے۔ علاوہ ازیں بدعات کا اہتمام نہایت ذوق وشوق کے ساتھ اور بڑی پابندی کے ساتھ کیا جاتا ہے اور دین کے جو اصل احکام وفرائض ہیں، ان سے یکسر تغافل واعراض برتا جاتا ہے، حتیٰ کہ نوبت یہاں تک آ گئی ہے کہ

مروجہ بدعات ہی کو اصل دین سمجھ لیا گیا ہے اور جو لوگ اتباعِ رسول کے جذبے سے سرشاری کی وجہ سے ان بدعات سے اجتناب کرتے ہیں، وہ معاشرے میں نکو بن کر رہ گئے ہیں، ان کو ہدفِ ملامت بھی بنایا جاتا ہے، اور ان کو (نعوذ باللہ) گستاخ اور بے دین بھی باور کرایا جاتا ہے۔ گویا وہی صورتِ حال رونما ہو گئی ہے جو اولین اسلام قبول کرنے والے مسلمانوں کی ابتدائے اسلام میں تھی، ان کو معاشرے میں اجنبی اور بیگانہ سمجھا جاتا تھا اور تحقیر آمیز نظروں سے ان کو دیکھا جاتا تھا۔ گویا غربتِ اسلام و اہل اسلام کی بابت نبی ﷺ نے جو پیش گوئی فرمائی تھی، وہ ہمارے اس دور پر بھی صادق آئی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تھا:

«بَدَأَ الإِسْلاَمُ غَرِيباً، وَسَيَعُودُ غَرِيباً، فَطُوبى لِلْغُرَبَاءِ»[1]

''اسلام اپنے آغاز میں غریب (نووارد اجنبی کی طرح) تھا اور ایک وقت آئے گا کہ وہ پھر غریب (اجنبی) ہو جائے گا، پس ایسے غریبوں کے لیے خوشخبری ہے۔''

غریب، عربی زبان میں اس نووارد مسافر کو کہا جاتا ہے جس کو کوئی نہیں جانتا، اسلام اور اہل اسلام کی بھی ابتدائے اسلام میں یہی حالت تھی، اسلامی تعلیمات بالخصوص دعوتِ توحید لوگوں کے لیے نہایت تعجب انگیز تھی، انہوں نے کہا:

﴿اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ﴾ (سورۂ ص: 5)

''کیا اس نے سارے معبودوں کو ایک ہی معبود کر دیا ہے، یہ تو یقیناً ایک بہت بڑی عجیب چیز ہے۔''

﴿بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا شَیْءٌ عَجِیْبٌ﴾ (سورۂ ق: 2)

''بلکہ انہوں نے تعجب کیا کہ ان کے پاس انہی میں سے ایک ڈرانے والا (پیغمبر) آیا، پس کافروں نے کہا، یہ تو عجیب بات ہے۔''

﴿فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ یَّهْدُوْنَنَا فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا﴾ (التغابن: 6)

---

[1] سنن ابن ماجه، كتاب الفتن، باب بدأ الاسلام غريباً، حديث 3986

''انہوں نے کہا: کیا ایک بشر ہماری رہنمائی کرے گا؟ چنانچہ انہوں نے (ایک بشر کو رسول ماننے سے) انکار کر دیا اور منہ موڑ لیا۔''

اسی طرح اُخوتِ اسلام، قانونی مساوات، معاشی عدم استحصال، معاشرتی اصلاحات اور دیگر اسلام کی امتیازی تعلیمات ان کے لیے انوکھی اور عجیب تھیں، ان پر عمل پیرا مسلمان اس معاشرے میں انوکھے، اجنبی اجنبی سے اور حقیر سمجھے جاتے تھے۔ لیکن زبانِ رسالت سے ان کے لیے تحسین و آفرین اور حوصلہ افزائی کے کلمات بلند ہوئے۔ فطوبیٰ للغرباء۔ ایسے دین نا آشنا اور بدعت پسند ماحول میں خالص، ٹیٹھ اور بے آمیز اسلام پر عمل کرنے والوں کے لیے یہ کلماتِ نبوی اور فرامینِ رسول آج بھی حوصلہ افزائی کا باعث ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے ان ''غرباء'' کی بابت مزید فرمایا:

«اَلَّذِينَ يُصْلِحُونَ مَا أَفْسَدَ اَلنَّاسُ مِنْ بَعْدِي مِنْ سُنَّتِي۔»[1]

''یہ غرباء جن کے لیے خوشخبری ہے وہ ہیں جو میرے بعد میری ان سنتوں کی اصلاح کریں گے جن میں لوگوں نے بگاڑ پیدا کر دیا ہوگا۔''

دین حق کی پیروی کی تاکید اور اہل حق کے لیے خوش خبری

یقیناً وہ لوگ خوش نصیب اور سعادت مند ہیں جو نہ معاشرے کے رسم و رواج کو، روشِ عام کو دیکھتے ہیں اور نہ ہی لوگوں کے طعن و تشنیع کی پروا کرتے ہیں بلکہ صرف اتباعِ رسول کا اہتمام کرتے ہیں اور صحابہ و سلف صالحین کے منہاج کو اختیار کرتے ہیں، اس لیے کہ مسلمانوں کو اسی بات کی ہدایت اور تلقین کی گئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أوصيكم بتقوى الله، والسمع والطاعة وإنْ عبدًا حبشيًّا؛ فإنه مَن يَعِشْ منكم بعدي فسيرى اختلافًا كثيرًا، فعليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين تمسكوا بها

[1] جامع الترمذی، باب ماجاء ان الاسلام بدأ غريبا۔۔۔حدیث: 2630

وعَضُّوا عليها بالنواجذ، وإياكم ومحدثاتِ الأمور،فإن كل محدثة بدعة، وكل بدعة ضلالة۔》[1]

''میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور (اپنے حکمران کی) بات سنو اور مانو چاہے وہ حبشی غلام ہی ہو (بشرطیکہ اس میں اللہ کی نافرمانی نہ ہو) بلاشبہ جو میرے بعد زندہ رہے گا، وہ بہت اختلاف دیکھے گا اس لیے تم میرے طریقے اور میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کے طریقے کو لازم پکڑنا، اس کو مضبوطی سے تھامنا اور دانتوں سے اس کو پکڑنا اور (دین میں) نئے نئے کاموں سے بچنا اس لیے کہ (دین میں) ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا:

﴿وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا ﴾(النساء:115)

''اور جس شخص کے سامنے ہدایت واضح ہوجائے اور اس کے بعد وہ رسول کی مخالفت کرے اور مسلمانوں (صحابۂ کرام) کا راستہ چھوڑ کر دوسرے راستے کی پیروی کرے تو ہم اسے اسی طرف پھیر دیں گے جس طرف وہ جانا چاہے اور ہم انہیں جہنم میں ڈالیں گے اور وہ بہت بڑا ٹھکانا ہے۔''

صحابۂ کرام کو خطاب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۚ ﴾(البقرہ:137)

''پھر اگر وہ اس چیز پر ایمان لے آئیں جس پر تم ایمان لائے ہو تو بے شک وہ ہدایت پا جائیں گے اور اگر وہ منہ موڑیں تو پھر وہی مخالفت میں ہیں۔''

ایک دوسرے مقام پر صحابۂ کرام کے نقش قدم پر چلنے والوں کے لیے اللہ نے یہ عظیم فضیلت بیان فرمائی کہ اللہ ان سے راضی ہوگیا اور وہ اللہ سے راضی ہوگئے، فرمایا:

---

[1] سنن ابی داؤد، كتاب السنة، باب في لزوم السنة، حدیث:4607

﴿وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾ (التوبہ:100)

''اور (قبول اسلام میں) سبقت کرنے والے مہاجرین اور انصار اور وہ لوگ جنہوں اچھے طریقے سے ان کی پیروی کی، اللہ ان سے راضی ہوگیا اور وہ اللہ سے راضی ہوگئے اور اللہ نے ان کے لیے ایسے باغ تیار کیے ہیں جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔''

اسی لیے سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بھی صحابہ کرام کی بابت فرمایا:

« مَن كانَ مُسْتَنًّا ، فَلْيَسْتَنَّ بمن قد ماتَ ، فإنَّ الحيَّ لا تُؤمَنُ عليه الفِتْنَةُ ، أولئك أصحابُ محمد صلى الله عليه وسلم،كانوا أفضلَ هذه الأمة،أبرَّها قلوبًا،وأعمقَها علمًا،وأقلَّها تكلُّفًا،اختارهم الله لصحبة نبيّه ، ولإقامة دِينه ، فاعرِفوا لهم فضلَهم واتبعُوهم على أثارهم ، وتمسَّكوا بما استَطَعْتُم من أخلاقِهم وسيَرِهم ، فإنهم كانوا على الهُدَى المستقيم .»[1]

''جس نے کسی کا طریقہ اپنانا ہو تو وہ ان کا طریقہ اپنائے جو دنیا سے جا چکے، اس لیے کہ زندہ (کا طریقہ اپنانے) سے فتنے میں مبتلا ہونے کا خدشہ ہے۔ یہ فوت شدگان کون ہیں؟ یہ اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں، یہ اس امت کے افضل ترین لوگ تھے، دلوں کے پاکیزہ ترین، علم میں سب سے گہرے، تکلف سے دور، ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کی صحبت (ہم نشینی) کے لیے اور اپنے دین کی اقامت کے لیے چُن لیا تھا۔ پس تم ان کی فضیلت کو پہچانو! اور ان کے نقش قدم کی پیروی کرو، اور جہاں تک ہو سکے ان کے اخلاق اور ان کی سیرتوں کو اپناؤ، یقیناً وہ راہ راست پر تھے۔''

[1] مشکوٰۃ،کتاب الایمان،باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ،الفصل الثالث

افتراق وانتشار امت کے دور میں اہل حق کون ہوں گے؟

مذکورہ تفصیل سے واضح ہے کہ افتراق وانتشار امت کے دور میں صحابہ کرام کا منہج وطرزِ عمل ہی نجات اور ہدایت کا واحد راستہ ہے اس لیے کہ یہی وہ پاکباز گروہ ہے جس نے براہ راست پیغمبرِ اسلام کی صحبت سے فیض یاب اور ضوءِ رسالت سے مستنیر ہوا اور پھر منہج نبوی سے یک سرِ مُو اِدھر اُدھر نہیں ہوا۔ اسی لیے نبی ﷺ نے ایک حدیث میں فرمایا:

《ليأتين على أمتي كما أتى على بني اسرائيل حذوالنعل بالنعل حتى إن كان منهم من أتى أُمَّه علانيةً لكان في أُمتي مَن يصنع ذلك وإن بنى اسرائيل تفرقت على ثنتين و سبعين ملة و تفترق أُمتي على ثلاث و سبعين ملة كلهم فى النار الّا ملّة واحدةً قالوا: من هي يارسول الله ﷺ؟ قال ما أنا عليه وأصحابى۔》[1]

''میری امت بنی اسرائیل کے قدم بہ قدم چلے گی جیسے ایک جوتا دوسرے جوتے کے برابر میں ہوتا ہے حتیٰ کہ اگر بنو اسرائیل میں کوئی شخص ایسا بھی ہو کہ اس نے اعلانیہ طور پر اپنی ماں کے ساتھ منہ کالا کیا ہوگا، تو میری امت میں بھی ایسا (بدبخت) شخص ضرور ہوگا جو یہ کام کرے گا۔ نیز بنو اسرائیل 72 فرقوں میں بٹ گئے تھے اور میری امت 73 فرقوں میں منقسم ہو جائے گی، سب کے سب جہنمی ہوں گے سوائے ایک گروہ کے، لوگوں نے پوچھا: وہ ایک جنتی گروہ کون ہوگا، اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو میرے اور میرے صحابہ کے راستے پر چلنے والا ہوگا۔''

یہ روایت ایک دوسری سند سے بھی مروی ہے، اس میں حسب ذیل الفاظ ہیں:

《اِثْنَتَانِ وَسَبْعُونَ فِي النَّارِ ، وَوَاحِدَةٌ فِي الْجَنَّةِ ، وَهِيَ الْجَمَاعَةُ 》[2]

---

[1] جامع الترمذی، کتاب الایمان، باب ماجاء في افتراق هذه الأمة، حدیث 2641

[2] سنن أبی داؤد۔ کتاب السنة، باب 1، حدیث 4597

''میری امت کے 73 فرقوں میں سے 72 فرقے جہنم میں اور ایک فرقہ جنت میں جائے گا اور وہ جماعت ہے۔''

اور دوسری تصریحات کی روشنی میں ''الجماعۃ'' سے مراد صحابۂ کرام اور ان کے طریقے پر چلنے والے لوگ ہیں۔

اسی لیے صحابۂ کرام کے منہاج پر چلنے والے گروہ کو اہل سنت والجماعت کہا جاتا ہے، جس کا مطلب ہے نبی ﷺ کے سنتوں پر چلنے والے صحابۂ کرام کے پیروکار۔ یعنی خالص اور بے آمیز اسلام پر چلنے والے لوگ۔ اس اعتبار سے جنتی لوگ صرف وہ ہوں گے جو اہل سنت والجماعت کے صحیح مصداق ہوں گے۔ محض اہل سنت نام رکھ لینے سے کوئی اس حدیث کا مصداق نہیں بن سکتا، جیسے ایک باطل ٹولہ اپنے کو ''مومن'' کہلواتا ہے اور دوسرے مسلمانوں کو وہ مومن نہ کہتا ہے اور نہ سمجھتا ہے۔ تو جس طرح یہ نام کے ''مومن'' حقیقی معنوں میں مومن نہیں ہیں، اسی طرح اہل سنت کا لیبل لگا لینے سے کوئی اہل سنت نہیں بن جائے گا بلکہ عنداللہ اہل سنت بننے کے لیے ضروری ہے کہ وہ صحابۂ کرام کی طرح سنتوں پر چلنے والا ہو، نہ بدعت ایجاد کرنے والا ہو اور نہ بدعتوں پر چلنے والا ہو اور نہ بدعتوں کے اثبات کے لیے قرآن وحدیث میں معنوی تحریف کرنے یا ان میں من مانی تاویل کرنے والا ہو، کیونکہ قرآن وحدیث پر عمل کرنے کے لیے من مانی تاویلات کی ضرورت ہے نہ ان کو ان کے ظاہری اور واضح مفہوم سے ہٹا کر ان میں معنوی تحریف و تلبیس ہی کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ یہ باطل حرکتیں وہی لوگ کرتے ہیں جو صحابۂ کرام کے منہج اور ان کے طرز فکر وعمل سے منحرف اور گریزاں ہیں۔

افتراقِ امّت کی پیش گوئی والی حدیث معنی ومفہوم کے اعتبار سے بھی صحیح ہے

یہ حدیث جس میں افتراقِ امت کی اور امت کی اکثریت کے راہ راست اور صراطِ مستقیم سے ہٹ جانے کی اور صرف ایک گروہ کے جنتی ہونے کی پیش گوئی ہے، سند کے اعتبار سے بالکل صحیح ہے جس کی

تفصیل (السلسلہ الصحیحۃ ،للالبانی۔ج 1،ص356۔367) میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔تاہم بعض لوگوں نے معنی ومفہوم کے اعتبار سے اس کو ردّ کرنے کی مذموم سعی کی ہے کہ اس طرح تو امت محمدیہ کی اکثریت جہنم میں جانے کی مستحق قرار پاجائے گی اور یہ بات ان کے نزدیک نہایت مستبعد (ناممکن) ہے۔لیکن حقیقت یہ ہے کہ واقعات کے اعتبار سے اس مفہوم میں کوئی استبعاد و اشکال نہیں۔اس کو سمجھنے کے لیے حسب ذیل چھ نکات قابل غور ہیں۔

1 بدعت گمراہی اور جہنم میں جانے کا سبب ہے

کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ صحابہ وتابعین کے ادوار کے بعد،جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانِ مبارک نے خیر القرون (سب سے بہتر ادوار) قرار دیا ہے،دین میں مختلف بدعات کا آغاز ہوگیا تھا اور جب سے اب تک بدعات کی گرم بازاری ہے۔یہ الگ بات ہے کہ ہر دور اور ہر علاقے میں بدعات الگ الگ رہی ہیں اور ہیں،البتہ بعض بدعات پورے عالم اسلام میں مشترک ہیں،اور مسلمانوں کی اکثریت نے ان خانہ ساز بدعات کو اپنایا ہوا ہے بلکہ ان بدعتی مسلمانوں کی اکثریت اسلام کے احکام وفرائض اور سنن ومستحبات سے تو یکسر غافل ہے لیکن بدعات کا اہتمام یہ لوگ بڑے اہتمام،نہایت شوق اور پابندی سے کرتے ہیں،حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان گرامی ہے:

«من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد»[1]

’’جس نے ہمارے اس دین میں کوئی نئی چیز نکالی جو اس میں سے نہیں ہے،وہ مردود ہے۔‘‘

اپنے خطبے میں آپ ارشاد فرمایا کرتے تھے:

«فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللهِ وَخَيْر الْهُدَى هُدَى مُحَمَّدٍ وَشَرّ الأُمُورِ مُحْدَثَاتُها وَكُلّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ ، وَكُلّ بِدْعَةٍ ضَلاَلَةٌ۔ »[2]

---

[1] صحيح البخاري،كتاب الصلح،باب إذا اصطلحوا على صلح جورٍ،حديث:2697

[2] صحيح البخارى،كتاب الجمعه،باب تخفيف الصلاة والخطبة،حديث:867

''بہترین بات اللہ کی کتاب ہے اور بہترین راستہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا راستہ ہے اور بدترین کام (دین میں) نو ایجاد ہیں اور ہر نو ایجاد کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔''

اور سنن نسائی میں صحیح سند سے یہ اضافہ ہے:

«وَكُلَّ ضَلاَلَةٍ فِي النَّارِ»[1]

''اور ہر گمراہی جہنم میں لے جانے والی ہے۔''

2 سنت سے انحراف جنت سے محرومی کا سبب ہے

بدعت کی ایجاد اور اس پر عمل سنتِ رسول سے انحراف ہے۔ اطاعتِ رسول کا اہتمام کرنے والا بدعت ایجاد نہیں کرتا کیونکہ اس کے نزدیک دین وہی ہے جو اللہ کے رسول نے بتلایا یا عمل کر کے دکھلایا۔ اور ایسا شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان اور آپ کے اسوۂ حسنہ ہی کو نجات کے لیے بجا طور پر کافی سمجھتا ہے اور سنت یعنی آپ کے اسوۂ حسنہ سے انکار ہی بدعت سازی کی بنیاد ہے۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

«كُلُّ أُمَّتِي يَدْخُلُونَ الجَنَّةَ إِلَّا مَنْ أَبَى ، قَالُوا : يَا رَسُولَ اللّٰهِ ! وَمَنْ يَأْبَى ؟ قَالَ : مَنْ أَطَاعَنِي دَخَلَ الجَنَّةَ ، وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ أَبَى۔»[2]

''میری امت ساری کی ساری جنت میں جائے گی سوائے اس شخص کے جس نے انکار کیا۔ صحابہ نے پوچھا: اللہ کے رسول! انکار کون کرے گا؟ آپ نے فرمایا: جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں جائے گا اور جس نے میری نافرمانی کی، اس نے یقیناً (جنت میں جانے سے) انکار کر دیا۔''

اس سے معلوم ہوا کہ جنت میں جانے کے لیے اطاعتِ رسول ضروری ہے اور اطاعتِ رسول سے گریز جنت سے محرومی کا سبب ہے۔ اس حوالے سے بھی امت محمدیہ علیٰ صاحبها الصلوٰۃ والسلام کی اکثریت کا حال

---

[1] سنن النسائي، كتاب الصلاة العيدين، باب كيف الخطبة، حديث:1579

[2] صحيح البخاري، كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة، باب الاقتداء بسنن رسول الله ﷺ، حديث:7280

دیکھ لیا جائے تو حدیثِ افتراق امت میں کی گئی پیش گوئی کی صداقت واضح ہو جاتی ہے۔ اطاعتِ رسول سے گریز کی دو صورتیں ہیں اور دونوں ہی عام ہیں۔

❶ پہلی صورت ہے کہ اخلاق و کردار، سیاست و معاشرت، معاملاتِ بیع و شراء، شکل و صورت اور معاشرتی تقریبات میں اطاعتِ رسول اور اسلامی تعلیمات کا اہتمام نہ کیا جائے، ان کی پابندی سے گریز کیا جائے اور اپنی من مانی کی جائے۔ یہ صورت کتنی عام ہے؟ اس کا اندازہ ہر شخص آسانی سے لگا سکتا ہے۔ جیسے ایک شاعر نے کہا ہے ۔

وضع میں ہو تم نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

❷ دوسری صورت یہ ہے کہ جو لوگ مذہب سے وابستہ ہیں یعنی نماز، اور روزہ کا وہ اہتمام کرتے ہیں، اول تو ان کی نمازیں دیکھ لیں کہ کیا وہ سنت کے مطابق ہیں یا نماز کے ساتھ وہ مذاق کرتے ہیں؟ دوسرے، اخلاق و کردار اور امانت و دیانت کے اعتبار سے ان کی اکثریت بھی، معدودے چند افراد کے، پہلی صورت کے افراد سے مختلف نہیں ہے۔ تیسرے ان کے ہاں مذہب سے وابستگی کا مطلب احکام و فرائض اسلام کی بجا آوری نہیں ہے، بلکہ بدعات اور رسوم و رواج کی پابندی ہے اور ان کے ہاں اسی کا اہتمام زیادہ ہے۔ چوتھے، موضوع یا ضعیف روایات کی بنیاد پر یہ مذہبی طبقہ کئی جشن مذہب کے نام پر مناتا ہے جن میں من گھڑت فضائل بیان کیے جاتے ہیں اور مختلف خانہ ساز اعمال بجالائے جاتے ہیں، جیسے جشن میلاد، جشن شبِ معراج، فضائلِ شبِ براءت، فضائلِ رجب وغیرہ ہیں، جن کی کوئی فضیلت صحیح احادیث سے ثابت نہیں ہے لیکن ان کے فضائل میں بڑے دھڑلے سے اور نہایت بے خوفی سے من گھڑت احادیث بیان کی جاتی ہیں حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

« مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ »[1]

[1] صحیح البخاری، کتاب احایث الانبیاء، باب ماذکر عن بنی اسرائیل، حدیث: 3461

''جس نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ بولا، اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔''

علاوہ ازیں اپنے خودساختہ طریقے سے اپنے زعم کے مطابق زیادہ عبادات کے اہتمام کو بھی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی سنت سے انحراف قرار دیا ہے۔

جیسے احادیث میں تین افراد کا واقعہ صحیح سند کے ساتھ موجود ہے کہ انہوں نے اپنے طور پر یہ خیال کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تو اللہ تعالیٰ نے بہت بلند مرتبہ عطا فرمایا ہے اور آپ کے اگلے پچھلے گناہوں کو بھی معاف فرمادیا ہے اس لیے ہمیں تو آپ سے زیادہ اللہ کی عبادت کرنے کی ضرورت ہے، چنانچہ ان میں سے ایک نے عہد کیا کہ میں ساری عمر ساری رات نماز پڑھتے ہوئے گزارا کروں گا۔ دوسرے نے کہا: میں ہمیشہ دن کو روزہ رکھا کروں گا، کبھی ناغہ نہیں کروں گا۔ تیسرے نے کہا: میں عورتوں سے بالکل کنارہ کش رہوں گا اور کبھی بھی نکاح نہیں کروں گا، جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم میں ان کی باتیں آئیں تو آپ نے ان کو بلا کر پوچھا: ''تم نے اس اس طرح باتیں کی ہیں؟'' پھر فرمایا:

«اَماواللہ اِنی لأخشاکم اللہ وأتقاکم له لکني أصوم وأفطر، وأُصلی وارقد، وأتزوج النساء فمن رغب عن سنتی فلیس منی۔»[1]

''خبردار! اللہ کی قسم، میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور سب سے زیادہ متقی ہوں، اس کے باجود (میں مسلسل روزے نہیں رکھتا بلکہ کبھی) روزہ کھ لیتا ہوں، (اور کبھی) چھوڑ دیتا ہوں اور (اسی طرح میں ساری رات نماز پڑھتے ہوئے نہیں گزارتا بلکہ) میں نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور میں نے عورتوں سے شادیاں بھی کی ہوئی ہیں (پس یہ سارے ہی کام میری سنت ہیں) جس نے میری (کسی ایک) سنت سے اعراض کیا، اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔''

---

[1] صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب الترغیب فی النکاح، حدیث5063

اخلاص نیت کے ساتھ اتباع سنت کا لزوم

یہ حدیث سُنت اور غیر سُنت کی پہچان کے لیے بڑی اہم ہے۔ نماز پڑھنا، روزے رکھنا، عورتوں وغیرہ علائق دنیا سے تعلق نہ رکھنا، یہ سارے امور پسندیدہ ہیں، ناپسندیدہ نہیں۔ لیکن اگر ان امور خیر میں بھی سنت کو سامنے نہیں رکھا جائے گا بلکہ اپنی پسند اور مرضی کو دخل دیا جائے گا، تو اخلاص نیت کے باوجود طریقہ نبوی سے انحراف کی وجہ سے، یہ پسندیدہ امور بھی ناپسندیدہ اور سنتِ رسول سے انحراف قرار پائیں گے۔ مذکورہ تینوں اصحابِ رسول نے محض اللہ کی رضا کے لیے اللہ کی زیادہ سے زیادہ عبادت کرنے غرض سے مذکورہ فیصلے کیے تھے لیکن چونکہ ان میں وہ اعتدال اور توازن نہیں جو سنتِ رسول اور اسلامی تعلیمات کا امتیاز ہے، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اپنی سنت سے اعراض قرار دیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ اخلاص نیت کے ساتھ ساتھ ہر دینی معاملے میں اتباع رسول بھی ضروری ہے، اس کے بغیر کوئی عمل عند اللہ مقبول نہیں ہوگا۔ جب مسنون اور مامور عمل میں اپنی طرف سے کمی بیشی نامقبول ہے تو جو اعمال سرے ہی سے خود ساختہ ہیں، شریعت میں ان کا وجود ہی نہیں ہے، محض نیک نیتی سے وہ اعمال کس طرح مقبول ومحمود ہو سکتے ہیں؟

3 دین سے ناآشنا عوام میں مشرکانہ عقائد اعمال عام ہیں

یہ حقیقت بھی بڑی تلخ ہے کہ مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد مشرکانہ عقائد واعمال میں مبتلا ہے، غیر اللہ کے نام کی نذر ونیاز اور ان سے استمداد واستغاثہ عام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسجدیں ویران ہیں لیکن غیر اللہ کی قبریں اور ان کے دربار خوب آباد ہیں، اللہ سے لوگ اتنا نہیں ڈرتے جتنا فوت شدہ بزرگوں سے ڈرا جاتا ہے، قبروں میں مدفون ان بزرگوں کو عالم الغیب، متصرف فی الامور، مشکل کشا، حاجت روا، دور اور نزدیک سے فریادیں سننے والا اور نافع وضار سمجھا جاتا ہے، حالانکہ یہ ساری صفتیں صرف اللہ کی ہیں، اللہ کے سوا کوئی مذکورہ صفات کا حامل نہیں، اور الوہی صفات میں مخلوق کو بھی شریک کرنا، اسی کا نام شرک ہے اور اس کو دیکھتے

ہوئے قرآن کریم کی صداقت واضح ہوجاتی ہے۔قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان موجود ہے:

﴿وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ﴾(یوسف:106)

''اللہ پر ایمان رکھنے والے اکثر مشرک ہیں۔''

اور شیطان کا یہ قول بھی سامنے آجاتا ہے جسے قرآن نے نقل کیا ہے:

﴿قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ۭ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ﴾(الاعراف:16،17)

''پس اس وجہ سے کہ تو نے مجھے گمراہ کیا تو میں ان (لوگوں کو گمراہ کرنے) کے لیے تیرے سیدھے راستے پر ضرور بیٹھوں گا، پھر میں ان کے سامنے سے اور ان کے پیچھے سے ان کے پاس ضرور آؤں گا اور ان کے دائیں سے بھی اور بائیں سے بھی۔ اور تو (اے اللہ) ان کی اکثریت کو شکر گزار نہیں پائے گا۔''

اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا:

﴿لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ﴾(الاعراف:18)

''ان میں سے جو تیری پیروی کرے گا تو میں تم سب سے جہنم کو ضرور بھر دوں گا۔''

جو اس نے اللہ سے مخاطب ہو کر کہا اور شیطان اپنے داؤ پیچ میں کس طرح کامیاب رہا؟ اللہ تعالیٰ نے اس کی بھی وضاحت فرمادی ہے۔

﴿وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيْسُ ظَنَّهٗ فَاتَّبَعُوْهُ اِلَّا فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾(سورۃ سباء:20)

''اور ابلیس نے ان کے متعلق اپنا خیال یقیناً سچا کر دکھایا چنانچہ مومنوں کی ایک تھوڑی سی جماعت کے سوا سب نے اسی کا اتباع کیا۔''

شرک کو شرک کوئی نہیں سمجھتا، یعنی شیطانی چال اور اس کا مکر و فریب ہے، وہ شرک کرواتا ہے لیکن اس پر

خوب صورت اور حسین غلاف چڑھا کر یا دل فریب اور خوش نما ناموں کے ذریعے سے۔ کبھی اس کو اولیاء اللہ کی محبت باور کراتا ہے، کبھی اس کو وسیلے کا عنوان دیا جاتا ہے، کبھی کہا جاتا ہے جن کو تم مدد کے لیے پکارتے ہو ان کو تو موت آتی ہی نہیں ہے، وہ صرف دنیا سے پردہ کر جاتے ہیں، اس لیے ان فوت شدگاں لوگوں کو اُلوہی صفات کا حامل سمجھ لیا جاتا ہے اور بلا خوف و خطر کہا جاتا ہے۔

شہباز، کرے پرواز، جانے راز دلاں دے

امام بری امام بری میری کھوئی قسمت کرو ہری

یا علی مولا میری کشتی پار لگا دینا۔ وغیرہ

اور یہ نعرے بھی عام ہیں۔ یا علی مدد، یا رسول اللہ مدد، یا حسین مدد، یا صاحب الزمان اَدْرِکْنی، لبیک یا رسول اللہ، لبیک یا حسین۔

یا رسول اللّٰہ ! اسمع قالنا وانظر حالنا

انني في بحرم هم مغرق، خذ بيدی سهّل لنا اشکالنا۔

حالانکہ یہ سب شرکِ صریح کے مظہر ہیں، لیکن مختلف عنوانات سے اس شرک کا ارتکاب عام ہے، یہ ایسے ہی ہے جیسے شراب کی بوتل پر روح افزا کا لیبل لگا دیا جائے، کیا وہ شراب، شربتِ روح افزا میں تبدیل ہو جائے گی؟ حرام کے بجائے حلال ہو جائے گی؟ اس کا استعمال جائز ہو جائے گا؟ نہیں، یقیناً نہیں۔ کسی حرام چیز کا نام بدل لینے سے وہ حلال نہیں ہو سکتی، اس کی حقیقت نہیں بدل سکتی اور اس کا استعمال جائز نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح جب شرک کی حقیقت یہ ہے کہ وہ غیر اللہ میں، چاہے وہ پتھر ہو، شجر ہو، نبی ولی ہو، زندہ ہو یا مردہ ہو، اللہ والی صفات تسلیم کرنا ہے۔ تو یہ شرک ہر جگہ عام ہے، بُت پرست ہی یہ نہیں کرتے، نام نہاد مسلمان بھی بڑی تعداد میں قبر پرستی کی صورت میں اور بزرگوں کی محبت کے عنوان پر اس کا ارتکاب کر رہے ہیں۔

اور شرک کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا قطعی فیصلہ ہے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ (النساء:48)

''اگر اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کیا جائے تو یہ گناہ وہ کبھی معاف نہ کرے گا اور اس کے علاوہ جو گناہ ہیں، وہ جسے چاہے معاف بھی کر دیتا ہے۔''

4 تقلیدی رویّے

گمراہی کا ایک بڑا سبب تقلید بھی ہے جس کو اپنے طور پر فرض وواجب کا درجہ دے دیا گیا ہے۔ مزید برآں اس تقلیدی رویّے کی وجہ سے بہت سی صحیح احادیث کو ماننے سے انکار کر دیا گیا ہے۔ صحتِ حدیث کے اعتراف کے باوجود محض تقلیدِ امام کے خود ساختہ نظریے کی وجہ سے حدیثِ رسول کو ٹھکرا دینا، کیا کسی مسلمان کا شیوہ ہو سکتا ہے؟ لیکن حدیثِ رسول کے ساتھ یہ استہزاء و مذاق بھی صدیوں سے کیا جا رہا ہے اور یہ کام دین نا آشنا عوام کالانعام کی طرف سے نہیں۔ اصحابِ جبّہ و دستار، مدّعیانِ زہد و تقویٰ اور وارثان منبر و محراب کی طرف سے کیا جا رہا ہے اور کیا جاتا ہے۔ کیا اس شوخ چشمانہ جسارت کا قرآن کریم کی درج ذیل آیات کی روشنی میں کوئی جواز ہے؟

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾ (النساء:65)

''آپ کے رب کی قسم! یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک یہ اپنے آپس کے اختلافات میں آپ کو حَکَم (ثالث) نہیں مانتے، پھر آپ کے فیصلوں پر اپنے دلوں میں کوئی تنگی بھی محسوس نہ کریں اور پوری خواہش دلی سے ان کو تسلیم کر لیں۔''

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ﴾ (الاحزاب:36)

''کسی مومن مرد اور مومن عورت کے لیے یہ لائق نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملے کا فیصلہ

کر دیں تو اس کے بعد ان کو اپنے معاملے میں کوئی اختیار رہو۔''

مومنوں کا طرۂ امتیاز اور شیوۂ گفتار تو اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے:

﴿اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ، وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ ﴾(النور:51-52)

''بس مومنوں کی بات یہ ہے کہ جب وہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف بُلائے جاتے ہیں تاکہ وہ ان کے مابین فیصلہ کرے تو وہ کہتے ہیں، ہم نے سنا اور اطاعت کی اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے اور اللہ سے ڈرے اور اس کا تقویٰ اختیار کرے تو یہی لوگ کامیاب ہیں۔''

اور جو لوگ دعوائے ایمان کے باوجود اس کے برعکس رویہ اختیار کرتے ہیں، ان کی بابت اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَيَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُوْلِ وَاَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۭ وَمَآ اُولٰۗىِٕكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ وَاِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ﴾(النور:47-48)

''اور وہ کہتے ہیں: ہم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور ہم نے اطاعت کی، پھر اس کے بعد ان میں سے ایک فریق (اطاعت سے) پھر جاتا ہے، اور وہ لوگ مومن ہی نہیں، اور جب وہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلائے جاتے ہیں تاکہ وہ ان کے مابین فیصلہ کرے، تو اچانک ان میں سے ایک فریق منہ موڑ لیتا ہے۔''

یہ کہا جا سکتا ہے کہ قرآن کریم میں تو یہ آیات منافقین کے بارے میں نازل ہوئی ہیں اور ان میں انہی کا رویہ بیان کیا گیا ہے۔ یہ بات بلاشبہ صحیح ہے لیکن یہ بات بھی سب کے نزدیک مسلمہ ہے کہ شانِ نزول کے خاص سبب کا اعتبار نہیں، اصل چیز وہ حکم ہے جو اس سے ثابت ہوتا ہے اور قیامت تک آنے والے

انسانوں کے لیے اس کا اثبات ہوگا بشرطیکہ ان کے اندر بھی وہی چیزیں ہوں جو شانِ نزول کا سبب بننے والے لوگوں کے اندر تھیں۔اس اعتبار سے اہل تقلید کا رویہ بھی قرآن وحدیث کے معاملے میں ان سے مختلف نہیں ہے جو عہد رسالت کے منافقین کا مذکورہ آیات میں بیان کیا گیا ہے۔

بنابریں اس بات کا شدید خدشہ ہے کہ وہ بھی اپنے تقلیدی رویے کی وجہ سے ان آیات کا مصداق قرار پا جائیں جو اگرچہ نازل منافقین کے بارے میں ہوئی تھیں اس لیے کہ العبرة بعموم اللفظ لا بخصوص السبب۔ اس کی مزید تفصیل کے لیے دیکھیے ہماری کتاب ''عظمتِ حدیث''۔ مطبوعہ دارالسلام

اس پہلو سے بھی امت مسلمہ کی اکثریت کو برسرِ حق تسلیم کرنا نہایت مشکل ہے۔

5 اہل حق ہمیشہ تھوڑے ہی رہے ہیں۔

مذکورہ چار نکتوں کو سامنے رکھتے ہوئے اس حقیقت کو ماننے میں تأمل نہیں ہونا چاہیے کہ اہل حق ہمیشہ ہر دور میں کم ہی رہے ہیں اور اکثریت اہل باطل ہی کی رہی ہے۔ اس لیے حق کا معیار اکثریت یا اقلیت نہیں ہے بلکہ صرف اور صرف قرآن کریم اور احادیث صحیحہ ہیں جو سچے دل سے ان کو مانے گا اور ان پر عمل کرے گا، وہی برسرِ حق ہوگا، وہ کوئی فرد ہو یا جماعت، وہ تھوڑے ہوں یا زیادہ۔ لیکن واقعہ یہی ہے کہ اہل حق ہمیشہ قلیل ہی رہے ہیں۔

﴿وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ﴾ (سورة سبا:13)

''میرے شکر گزار بندے تھوڑے ہی ہیں۔''

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری پیغمبر جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا:

﴿وَإِن تُطِعْ أَكْثَرَ مَن فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۚ إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ﴾ (الانعام:۱۱۲)

ایک اور مقام پر فرمایا:

''اگر آپ اہل زمین کی اکثریت کی بات مانیں گے تو وہ آپ کو اللہ کے راستے سے ہٹادے گی، یہ اکثریت صرف ظن (گمان) کی پیروکار اور محض اٹکل پچو باتیں کرنے والی ہے۔''

افتراق امت والی حدیث جو پہلے گزر چکی ہے جس میں 73 فرقوں کی پیشین گوئی کی گئی ہے، اس سے بھی واضح ہے کہ 73 فرقوں میں صرف ایک فرقہ، فرقۂ ناجیہ ہوگا، یہی طائفۂ منصورہ ہوگا یعنی اللہ کی خاص مدد سے قائم رہنے والا اللہ کی نصرت خاص کا مورد، اگرچہ وہ تعداد کے اعتبار سے دوسروں کے مقابلے میں کم ہوگا لیکن اللہ تعالیٰ اس طائفۂ حقہ کو قیامت تک قائم رکھے گا اور اس کے ذریعے سے احقاق حق کر کے لوگوں پر حجت تمام کرتا رہے گا۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان سے بھی یہ بات ثابت ہے۔

آپ نے فرمایا:

﴿وَمَا أَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِينَ﴾ (یوسف:103)

''آپ کی خواہش کے باوجود اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں ہوں گے۔''

فَطُوبَىٰ لِلْغُرَبَاءِ والی حدیث کا ایک طریق اس طرح بھی ہے جو سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

« فَطُوبَى لِلْغُرَبَاءِ، قِيلَ: وَمَنِ الْغُرَبَاءُ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ نَاسٌ صَالِحُونَ قَلِيلٌ فِي نَاسِ سوء كَثِيرٍ مَنْ يَعْصِيهِمْ أَكْثَرُ مَنْ يُطِيعُهُمْ۔»[1]

''غرباء کے لیے خوشخبری ہے، پوچھا گیا: اللہ کے رسول! غرباء کون ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''نیک لوگ، جو بہت زیادہ برے لوگوں میں تھوڑے ہوں گے، ان کے پیچھے لگنے والوں کے مقابلے میں ان کی نافرمانی کرنے والے لوگ زیادہ ہوں گے۔''

«لاتَزَالُ مِنْ أُمَّتِي أُمَّةٌ قَائِمَةٌ بِأَمْرِ اللَّهِ لاَ يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ وَلاَ مَنْ خَالَفَهُمْ حَتَّى يَأْتِيَ

[1] الصحيحة ،للألباني : 152/4، رقم الحديث 1619

أَمْرُ اللَّهِ وَهُمْ عَلَىٰ ذٰلِكَ»[1]

”میری امت میں سے ایک گروہ اللہ کے حکم پر قائم رہے گا، اس کو نہ وہ لوگ نقصان پہنچا سکیں گے جو اس کی مدد سے گریزاں ہوں گے اور نہ اس کی مخالفت کرنے والے، یہاں تک کہ ان کے پاس اللہ کا حکم آجائے (یعنی قیامت برپا ہوجائے) اور وہ اسی اللہ کے حکم پر قائم رہیں گے“۔

صحیح بخاری ہی کی ایک دوسری روایت کے الفاظ اس طرح ہیں:

«لَا يَزَالُ نَاسٌ مِنْ أُمَّتِي ظَاهِرِينَ، حَتَّىٰ يَأْتِيَهُمْ أَمْرُ الله وَهُمْ ظَاهِرُونَ»[2]

”میری امت کے کچھ لوگ (دلائل حقہ کے اعتبار سے) غالب رہیں گے، یہاں تک کہ ان کے پاس اللہ کا حکم آجائے اور وہ غالب ہی ہوں گے“۔

صحیح مسلم کی روایت کے الفاظ ہیں:

«لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي يُقَاتِلُونَ عَلَى الْحَقِّ ظَاهِرِينَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ »

”میری امت کا یک گروہ حق کے لیے لڑنے والا ہمیشہ رہے گا، قیامت تک (دلائل کے اعتبار سے) وہ غالب رہے گا“۔

ایک دوسری روایت کے الفاظ اس طرح ہیں:

«مَنْ يُرِدِ اللّٰهُ بِهِ خَيْراً يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ. وَلاَ تَزَالُ عِصَابَةٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ يُقَاتِلُونَ عَلَى الْحَقِّ ظَاهِرِينَ عَلَىٰ مَنْ نَاوَاهُمْ، إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔»[3]

”جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے، اس کو دین کی سمجھ عطا فرما دیتا ہے اور مسلمانوں میں سے ایک گروہ حق کے لیے لڑنے والا ہمیشہ رہے گا، اپنے مخالفین پر (دلائل کے اعتبار سے) قیامت

---

[1] صحیح البخاری، المناقب ، باب سؤال المشرکین ان یُریھم النبی ﷺ آیة ---، حدیث/ 3641

[2] صحیح البخاری ،باب مذکور، حدیث: 3640

[3] صحیح مسلم :کتاب الامارة، باب قوله ﷺ لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ-- 1923

تک غالب رہے گا"۔

اس حدیث کے مختلف طرق اور الفاظ سے حسب ذیل باتیں ثابت ہوتی ہیں۔

❶ مسلمانوں کی اکثریت حق سے منحرف ہوجائے گی، کہلانے کی حد تک وہ مسلمان ہی کہلائی گی لیکن وہ صراط مستقیم پر چلنے والی نہ ہوگی۔

❷ اس اکثریت کے مقابلے میں ایک گروہ بھی ہمیشہ قائم رہے گا جو حق کے لیے لڑتا رہے گا، یعنی باطل اور گمراہ فرقوں کی تحریفات وتلبیسات کا پردہ چاک کرتا اور حق کی دعوت ان کو دیتا رہے گا۔

❸ اس طائفۂ حقہ کے دلائل چونکہ قرآن واحادیث صحیحہ پر مبنی ہوں گے، اس لیے دلائل کی رُو سے کوئی ان کا مقابلہ نہیں کر سکے گا، اس اعتبار سے یہی گروہ قیامت تک غالب رہے گا۔

❹ اللہ کا پسندیدہ گروہ یہی ہوگا جس کو اللہ تعالیٰ دین کی صحیح سمجھ سے بہرہ ور فرمائے گا اور اس گروہ پر اللہ کا بڑا احسان ہوگا۔

❺ اس گروہ کی فہم صحیح اور دعوت حق کے ذریعے ہی سے یہ دین قیامت تک اپنی صحیح شکل میں موجود رہے گا کیونکہ ہر دور میں اس گروہ کو باقی رکھنے سے اصل مقصود یہی ہے۔ اس کی مزید تائید حسب ذیل حدیث سے ہوتی ہے۔

«لَنْ يَبْرَحَ هَذَا الدِّينُ قَائِمًا يُقَاتِلُ عَلَيْهِ عِصَابَةٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ حَتَّى تَقُومَ السَّاعَةُ»[1]

"یہ دین ہمیشہ قائم رہے گا، اس کے لیے مسلمانوں میں سے ایک گروہ لڑتا رہے گا یہاں تک کہ قیامت قائم ہوجائے گی"۔

"یہ دین ہمیشہ قائم رہے گا" کا مطلب یہی ہے کہ دین میں ملاوٹ کرنے والے، نئی نئی بدعات گھڑنے والے، قرآن کریم میں معنوی تحریفات کے ذریعے سے اپنی گمراہیوں کو ثابت کرنے والے بہت

[1] صحیح مسلم، باب مذکور، حدیث: 1922

ہوں گے، ہر دور میں ہوں گے اور بہت زیادہ ہوں گے، لیکن ایک گروہ، جو تعداد میں تھوڑا ہوگا، ان سے نبرد آزما اور ان کی تاویلات رکیکہ وبعیدہ اور تلبیسات کا پردہ چاک کرتا رہے گا اور یوں اصل دین بھی اپنی صحیح شکل وصورت میں موجود رہے گا، جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت سے نوازنا ہوگا، وہ تقلیدی راہوں اور بدعات سے نکل کر اصل دین کو اپناتے رہیں گے اور یوں نام نہاد مسلمان معاشروں میں اصل دین پر عمل کرنے والے اور اس کی حفاظت وصیانت کا فریضہ ادا کرنے والے بھی تا قیامت موجود رہیں گے۔ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

«يَحْمِلُ هَذَا الْعِلْمَ مِنْ كُلِّ خَلَفٍ عُدُولُهُ، يَنْفُونَ عَنْهُ تَحْرِيفَ الْغَالِينَ، وَانْتِحَالَ الْمُبْطِلِينَ، وَتَأْوِيلَ الْجَاهِلِينَ.» (شیخ البانی رحمہ اللہ نے اس کی سند کے بارے میں توقف کیا اور تحقیق کرنے کے ارادے کا اظہار کیا (ھدایۃ الرواۃ:1/ 163) اور شیخ کے تلمیذ رشید علامہ سلیم الھلالی نے اس کی تحقیق کر کے اس کو حسن لغیرہ قرار دیا ہے۔ (البدعۃ واثرھا السیئی)

"اس علم (قرآن وحدیث، کو ہر پچھلے لوگوں سے (بعد میں آنے والے) ثقہ لوگ (علماء راسخین) حاصل کریں گے، وہ اس (علم) سے وہ تحریفات دور کریں گے۔ جو (بدعتی لوگ) حد سے تجاوز کر کے (غلو کر کے اپنی بدعات کے اثبات کے لیے اس میں) کریں گے، اور قرآن وحدیث کی طرف اس غلط انتساب کی نفی کریں گے جو اہل باطل (اپنے مذہب کی حمایت کے لیے) کریں گے اور (شریعت حقہ کے اصول ومناہج سے ناآشنا) جاہل لوگوں کی تاویلات کا پردہ چاک کریں گے۔"

اس حدیث میں اہل حق کی صفات حمیدہ کا بھی بیان ہے اور ان کے ذریعے سے تجدید واصلاح کا جو کام سرانجام پائے گا، اس کی بھی وضاحت ہے۔ ان کی سب سے بڑی خوبی یہ ہوگی کہ وہ قرآن وحدیث کے علم سے بہرہ ور رہوں گے، اس میں ان کو رسوخ حاصل ہوگا۔ اور وہ اس علم کے ماہر ہوں گے اور یہ سلسلہ نسل در نسل چلتا رہے گا، ہر قرن اور ہر دور میں ایسے علمائے حق ہوتے رہیں گے۔ اور ان کا سب سے اہم کام یہ ہوگا کہ اہل بدعت اور اہل زیغ اپنی گمراہیوں اور بدعات کے اثبات کے لیے قرآن وحدیث کے معنی ومفہوم

میں جوتحریف کریں گے،قرآن وحدیث کی طرف جوغلط باتیں منسوب کریں گے اور جو دوراز کارتاویلات کریں گے، اہل حق ان سب کی نفی کرکے ،ان کے مغالطات وتلبیسات کا پردہ چاک کرکے اور صحیح بات کوواضح کرکے قرآن وحدیث اور دین حق کی حفاظت کا فریضہ سرانجام دیں گے۔جَعَلَنَا اللّٰہ مِنْھُمْ۔ اوراس حدیث میں بھی یہی خبرگئی ہے۔

«إِنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ لِهَذِهِ الْأُمَّةِ عَلَى رَأْسِ كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَنْ يُجَدِّدُ لَهَا دِينَهَا۔»[1]

”اللہ تبارک وتعالیٰ اس امت کے لیے ہرصدی کےشروع (یا آخر) میں ایسے لوگ پیدافرماتا رہے گا جواس امت کے لیےاس کےدین کی اصلاح وتجدید کا کام کیا کریں گے۔“

یہی طائفۂ منصورہ ،فرقۂ ناجیہ اور جماعت حقہ ہے جواتباع رسول کے تقاضوں کوپورا کرنے والی اورصحابۂ کرام کے منہج ومسلک پر چلنے والی ہے۔ یہ بلاشبہ تھوڑی ہی ہے،تھوڑی ہی رہی ہےاورشایدتھوڑی ہی رہےلیکن اس کےتھوڑے ہونے کا مطلب یہ ہرگزنہیں ہے کہ یہ حق کی حامل نہیں ہے یا حق کے لیے اکثریت ضروری ہے۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

«الجَمَاعَةَ مَا وَافَقَ الحَقَّ وَإِنْ كُنْتَ وَحْدَكَ۔»[2]

”حق کے مطابق چلنے والوں کا نام”الجماعۃ“ ہے چاہےتواکیلا ہی ہو“۔

علامہ شاطبی رحمہ اللہ (المتوفی ۷۹۰ ھجری) فرماتے ہیں:

«الْجَمَاعَةَ مَا كَانَ عَلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالتَّابِعُوْنَ لَهُمْ بِإِحْسَانٍ »[3]

---

[1] السلسلة الصحيحة حديث:599

[2] هداية الرواة الى تخريج احاديث المصابيح والمشكاة ۔ابن حجرعسقلانی، بہ تحقیق شیخ البانی رحمہما اللہ، ج:1 /135 (حاشیہ)

[3] الاعتصام:1 /37، بہ تحقیق سلیم بن عید الھلالی، طبع دار ابن عفان 1992ء

"نبی ﷺ، صحابہ کرام اور ان کے نقش قدم پر چلنے والوں کے طریقے کا نام الجماعۃ ہے"۔ [1]

حضرت فُضیل بن عیاض فرماتے ہیں:

«اتبع طرق الهدى ولا يضرك قلة السالكين واياك وطرق الضلالة ولا تغتر بكثرة الهالكين» [2]

''ہدایت کے راستوں پر چلو، ان راستوں پر چلنے والوں کی کمی کو مت دیکھو، اس سے تمہیں کچھ نقصان نہیں ہوگا، ان کی کثرت سے تم دھوکہ مت کھاؤ۔''

حضرت سفیان رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

«اسلكوا سبيل الحق، ولا تستوحشوا من قلة اَهلهِ۔» [3]

''حق کے راستے پر چلو اہل حق کی کمی سے مت گھبراؤ۔''

6 اکثریت کے جہنمی ہونے کا مطلب

مذکورہ حقائق وتفصیلات کے باوجود بعض لوگوں کے لیے شاید یہ امر تسلیم کرنا نہایت مشکل ہے کہ امتِ مسلمہ کی اکثریت گمراہی کا شکار اور جہنم میں جانے کی مستحق ہوسکتی ہے کیونکہ ان کے ذہنوں میں شفاعت کا غلط تصور ہے۔ دوسرا وہ سمجھتے ہیں کہ جنت میں امت محمدیہ کی اکثریت کی بابت احادیث میں بتلایا گیا ہے، اس کے پیشِ نظر اکثریت کی گمراہی کا تصور غلط ہے، لیکن مذکورہ توجیہات کے پیش نظر یہ ناممکن بات نہیں ہے۔ اس لیے کہ شفاعت کا مفہوم غلط سمجھا اور سمجھایا گیا ہے۔ شفاعت کا مطلب عام طور پر یہ لیا جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ شفاعت کے ذریعے سے اپنی ساری امت کو بخشوالیں گے۔ ظاہر بات ہے کہ یہ تصور جہاں قرآن وحدیث کی نصوص کے خلاف ہے، وہاں اللہ تعالیٰ کے عدل وانصاف کے بھی منافی ہے، قیامت

---

[1] البدعة وأثر السئي فى الأمة، ص110۔ طبع اردن 2006ء

[2] الابداع في مضار الابتداع ص:53، الشيخ على محفوظ مصرى، الطبقة الخامسة، 1971، مدینہ منورہ

[3] الاعتصام، للشاطبی، ص46

کا دن اللہ تعالیٰ نے بے لاگ عدل وانصاف کے لیے اور ہر شخص کو اس کے اعمال کے مطابق اچھی یا بری سزا دینے کے لیے رکھا ہے، نہ کہ اس لیے کہ ہر اچھے اور بُرے، متقی اور غیر متقی، صالح اور فاجر کے ساتھ یکساں معاملہ کر کے سب کو اول وہلے ہی جنت میں داخل فرما دے۔ اگر ایسا ہوتو یہ سراسر ظلم ہوگا۔ انصاف تو نہیں ہوگا، اور اللہ کے لیے اس ظلم کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اسی غلط تصور کی نفی کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ۭ سَاۗءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴾(الجاثیہ:12)

’’کیا جن لوگوں نے برائیوں کا ارتکاب کیا، وہ خیال کرتے ہیں کہ ہم انہیں ان لوگوں کے مانند کر دیں جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے ان کا جینا اور مرنا برابر ہے، بُرا ہے جو وہ فیصلہ کرتے ہیں۔‘‘

قرآن کریم کی رُو سے ساری امتِ محمدیہ کی پہلے مرحلے ہی میں بخشش کا یہ تصور ’’بُرا فیصلہ‘‘ ہے، جو اللہ کے بارے میں تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔

شفاعت کا صحیح مفہوم

اس لیے شفاعت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نبی ﷺ کی شفاعت کی وجہ سے امتِ محمدیہ کے ایسے بہت سے لوگوں کو معاف کر کے ان کو پہلے مرحلے ہی میں جنت میں بھیج دے گا جن پر اللہ اپنا فضل وکرم کرنا چاہے گا اور وہ زیادہ گناہ گار بھی نہیں ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ﴾(البقرہ:255)

’’اللہ کی اجازت کے بغیر کون ہے جو اس کی بارگاہ میں شفاعت کر سکے؟‘‘

یعنی وہاں کسی کو کسی کے لیے شفاعت کرنے کی اجازت ہوگی اور نہ کسی کو یہ جرأت ہی ہوگی۔ ہاں جس کو

اللہ تعالیٰ اجازت دے گا وہ یقیناً شفاعت کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نبی ﷺ کو بھی شفاعت کرنے کا یہ اعزاز عطا فرمائے گا اور آپ اللہ کی اجازت سے اپنی امت کی مغفرت کے لیے شفاعت فرمائیں گے۔ لیکن یہ شفاعت کن لوگوں کے لیے ہوگی؟ اس کی بھی وضاحت قرآن کریم میں فرما دی گئی:

﴿وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضَىٰ وَهُم مِّنْ خَشْيَتِهِ مُشْفِقُونَ﴾ (الانبیاء: 28)

''وہ شفاعت انہی لوگوں کے لیے کریں گے جن کے لیے اللہ تعالیٰ پسند فرمائے گا، اور وہ اللہ کے ڈر سے لرزاں و ترساں ہوں گے۔''

﴿يَوْمَئِذٍ لَّا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَٰنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا﴾ (طٰہٰ: 109)

''اس دن سفارش کچھ فائدہ نہ دے گی مگر جسے رحمن اجازت دے دے اور اس کی بات سننا پسند کرے۔''

ان آیات سے دو باتیں معلوم ہوئیں:

1. شفاعت صرف وہ کرے گا جس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت ملے گی۔
2. شفاعت صرف ان لوگوں کے حق میں ہوگی جن کی بابت اللہ تعالیٰ پسند فرمائے گا۔

اور ظاہر بات ہے جو اللہ کے سخت نافرمان رہے ہوں گے، اسلام کے احکام و فرائض سے یکسر غافل رہ کر جنہوں نے زندگی گزاری ہوگی اور اللہ تعالیٰ پہلے ان کو سزا دے کر عدل و انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنا چاہے گا، ان کے لیے اللہ تعالیٰ کب شفاعت کرنے کی اجازت دے گا؟ ان کو پہلے جہنم کی سزا بھگتنی ہوگی اور جب اللہ تعالیٰ چاہے گا ان کو معاف فرما کر اور جہنم سے نکال کر جنت میں داخل فرمائے گا۔ چنانچہ رسول کریم ﷺ کی دوسری مرتبہ شفاعت سے ان کو جنت میں جانے کا موقعہ ملے گا۔ ان سارے پہلوؤں کی وضاحت احادیث میں موجود ہے۔

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ امتِ محمدیہ کی بے عمل یا بدعمل اکثریت پہلے جہنم میں

جانے کی مستحق قرار پا سکتی ہے، اس میں قطعاً کوئی اشکال یا استحالہ نہیں۔ اس طرح ایک بہت بڑی تعداد سزا بھگتنے کے بعد جنت میں جائے گی۔ اور جہنم میں صرف وہی لوگ اس میں ہمیشہ رہنے کے لیے رہ جائیں گے جن کے عقیدوں کی گمراہی نے ان کو شرک اکبر اور شرکِ صریح تک پہنچا دیا ہوگا اور دنیا میں وہ شرک کا ارتکاب کرتے ہوئے فوت ہوئے ہوں گے۔ ان کے لیے یقیناً مغفرت نہیں ہے، وہ ہمیشہ جہنم ہی کا ایندھن رہیں گے، جنت ان پر حرام ہے، وہ کوئی بھی ہوں، کسی بھی قوم اور مذہب سے ان کا تعلق ہو۔ وہاں مذہب اور قومیت کا خانہ نہیں دیکھا جائے گا، صرف عقیدہ اور عمل دیکھا جائے گا، جن کے عقیدہ وعمل میں شرک کی گمراہی نہیں ہوگی، ان کو اللہ چاہے گا تو پہلے مرحلے ہی میں معاف فرما دے گا، بصورتِ دیگر سزا کے بعد معافی مل جائے گی۔ لیکن مشرکانہ عقائد اعمال کے حامل لوگوں کے لیے معافی نہیں ہے، وہ جہنم میں جائیں گے اور ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔

ثانیاً: امت محمدیہ کی ایک بہت بڑی تعداد کے جہنم میں جانے کا مطلب یہ قطعاً نہیں ہے کہ جنت میں دوسری امتوں کے مقابلے میں یہ امت کم ہوگی۔ ایسا نہیں ہے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زمانۂ نبوت بہت زیادہ یعنی قیامت تک ہے جس کی مدت کا تعین نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے ہر دور کے اہل حق، چاہے وہ تعداد میں تھوڑے ہی رہے ہوں، قیامت تک کے اہل حق کو ملا کر بہت بڑی تعداد میں ہو جائیں گے۔ اسی طرح حدیث کے مطابق اہل جنت کی اکثریت امت محمدیہ ہی کے افراد پر مشتمل ہوگی۔ علاوہ ازیں بعد میں بھی ایک بہت بڑی تعداد اپنی اپنی سزا بھگت کر جہنم سے نکل کر جنت میں چلی جائے گی، ان کے لیے بھی جب اللہ کی مشیت ہوگی، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوبارہ شفاعت فرمائیں گے، کچھ فرشتے اور صلحاء واتقیاء بھی سفارش کریں گے اور آخر میں کچھ لوگوں کو اللہ تعالیٰ اپنے خصوصی فضل وکرم سے معاف فرمائے گا اور یوں اہل ایمان سب کے سب جنت میں پہنچ جائیں گے جہنم میں صرف وہی رہ جائیں جو مرتے دم تک مشرکانہ عقیدوں کے حامل اور عامل رہے، ان کا دائمی ٹھکانہ جہنم ہی ہوگا اس لیے کہ مشرک اور کافر کے لیے جنت حرام ہے۔

ہر خیر امت کو بتلا دیا گیا اور ہر شر سے روک دیا گیا ہے

بہر حال بات یہاں سے شروع ہوئی تھی کہ دین اسلام نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں مکمل ہو گیا تھا، سارے امور خیر بتلا دیے گئے تھے اور جو امور شر تھے، ان سے روک دیا گیا تھا، جیسے ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

«مَا بَقِيَ شَيْءٌ يُقَرِّبُ مِنَ الْجَنَّةِ وَيُبَاعِدُ مِنَ النَّارِ إِلا وَقَدْ بُيِّنَ لَكُمْ.»[1]

''جو عمل بھی جنت کے قریب اور جہنم سے دور کرنے والا ہے، وہ تمہارے لیے بیان کر دیا گیا ہے۔''

ایک اور حدیث میں فرمایا جو اگرچہ مرسل حسن ہے لیکن شیخ البانی نے اس کو بطور شاہد بیان کیا ہے۔

«ما تركت شيئا مما امركم الله به الا قد امرتكم به و لا تركت شيئا مما نهاكم الله عنه الا وقد نهيتكم عنه.» [2]

''اللہ نے جن باتوں کے کرنے کا تم کو حکم دیا ہے، ان میں سے میں نے کوئی چیز نہیں چھوڑی وہ سب تمہارے سامنے بیان کر دی ہے، (اسی طرح) جن چیزوں سے اس نے تمہیں منع کیا ہے، ان میں سے بھی کوئی چیز میں نے نہیں چھوڑی ہے، ان سب سے میں نے تمہیں منع کر دیا ہے۔''

ایک اور حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّهُ لَمْ يَكُنْ نَبِيٌّ قَبْلِي إِلا كَانَ حَقًّا عَلَيْهِ أَنْ يَدُلَّ أُمَّتَهُ عَلَى خَيرِ مَا يعْلَمُهُ لهُمْ وَيُنْذِرهُمْ شَرَّ مَا يَعْلَمُهُ لَهُمْ..»[3]

''مجھ سے پہلے جو بھی نبی ہوا ہے، اس کے لیے ضروری تھا کہ وہ اپنی امت کو ہر بھلائی کی وہ بات بتلائے جس کا امت کے لیے بہتر ہونا اس کو معلوم ہوا اور ان چیزوں سے ان کو ڈرائے جن کا ان

[1] السلسلة الصحيحة، الالبانى 1803۔بحواله المعجم الكبير للطبرانى، حديث: 1647

[2] السلسلة الصحيحة، حديث: 1803

[3] صحيح مسلم، كتاب الامارة، باب وجوب الوفاء، ببيعة الخليفة، الاول فالأول، حديث: 1844

کے لیے بُرا ہونا اس کو معلوم ہو۔''

اور یہ بات بھی ظاہر ہے کہ خیر وشر کا یہ علم پیغمبر کو اللہ کی طرف سے عطا ہوتا ہے نیز پیغمبر اس بات کا پابند ہوتا ہے کہ اس کو اللہ کی طرف سے لوگوں کو بتلانے کے لیے جو کچھ بتلایا جائے، وہ اپنی امت کو بتلا دے، جو کوئی بات اپنے پاس نہ رکھے۔ قرآن کریم کی اس آیت کا، جو نبی ﷺ کی بات ہے، یہی مطلب ہے۔

﴿وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ﴾ (التکویر:24)

''وہ غیب (کی باتوں) پر بخیل نہیں ہے۔''

کیونکہ پیغمبر کو یہی حکم ہوتا ہے

﴿بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ﴾ (المائدہ:67)

''جو چیز آپ کے رب کی طرف سے آپ پر اتاری گئی ہے، وہ (لوگوں تک) پہنچا دیجیے اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو گویا آپ نے حق رسالت ادا نہیں کیا۔''

ان آیات واحادیث سے معلوم ہوا کہ جن امور کا تعلق دین سے ہے، امر کا ہو یا نھی (ممانعت) کا، وہ سب بتلا دیے گئے ہیں۔ اب وحی ورسالت کا سلسلہ منقطع ہو جانے کے بعد کسی کو ان میں نہ کمی کرنے کا اختیار ہے اور نہ زیادتی کا، امتی صرف اللہ اور اس کے رسول کے حکموں کا پابند ہے اور اس کی نجات کے لیے اللہ رسول کی اطاعت ہی کافی ہے، وہ اوامر (احکامات) کو بجالائے اور نواہی (ممنوعات) سے باز رہے۔

سنّت ترکیہ، جو کام منقول نہیں ان کا ترک سنّت اور کرنا خلافِ سنت ہے

ایک تیسری قسم ان کاموں کی ہے جنہیں نبی ﷺ نے نہیں کیا لیکن لوگ ان کو دین یا اجر وثواب کا باعث گردان کر کرتے ہیں۔ ان کا کیا حکم ہے؟

ظاہر بات ہے کہ ان کا نہ کرنا ہی سنت اور کرنا خلافِ سنت ہے کیونکہ یہ سنتِ ترکیہ ہے، جو کام نبی ﷺ نے نہیں کیا اس کا نہ کرنا ہی سنت ہوگا، اس کی دو صورتیں ہیں۔

ایک وہ جن کے نہ کرنے کی صراحت احادیث میں موجود ہے۔ جیسے جمع بین الصلاتین کے موقع پر آپ کا سنتیں ادا نہ کرنا اور صرف دونوں نمازوں کے فرض ادا کرنا۔ عیدین کی نماز کے لیے اذان اور اقامت (تکبیر) کا اہتمام نہ کرنا، وغیرہ ان کے نہ کرنے کی صراحت حادیث میں ہے۔

دوسری صورت ہے کہ نہ کرنے کی صراحت تو نہیں ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ نبی ﷺ نے وہ کام نہیں کیا۔ اس لیے کہ اگر وہ کام آپ نے کیا ہوتا تو صحابۂ کرام یا ان میں سے کوئی ایک تو ضرور اس کو بیان کرتا، یا اس کام کا اہتمام صحابہ ضرور کرتے۔ جب کسی سے اس کا کرنا بھی منقول نہیں اور صحابہ کا کرنا بھی ثابت نہیں، تو بالیقین اس کام کا نہ کرنا بھی سنت ہے۔ جیسے مُردے کو دفنائے کے بعد قبر پر اذان دینا۔ فرض نماز پڑھتے وقت اردو یا پنجابی وغیرہ زبان میں نیت کے الفاظ زبان سے ادا کرنا، اذان سے قبل صلاۃ وسلام پڑھنا، جماعت کا سلام پھیرنے کے فوراً بعد بہ آواز بلند لا الہٰ الا اللہ کا ورد یا صلاۃ وسلام کا پڑھنا اور اس طرح کے بہت سے کام جو نبی ﷺ سے منقول نہیں، کرنا۔ یہ سب خلافِ سنت ہوں گے کیونکہ ان کو مستحب یا ضروری قرار دینا ایسا ہی ہے جیسے آپ سے منقول مسنون کاموں کے چھوڑنے کو مستحب یا ضروری قرار دینا۔ ان دونوں باتوں میں فرق نہیں۔

اس لیے مسنون اور مستحب کام صرف وہ ہوں گے جو نبی ﷺ کے قول یا فعل یا تقریر سے ثابت ہوں گے۔ کمالِ اتباع سنت یہی ہے کہ جو آپ سے منقول ہے، اس کو کیا جائے، جو منقول نہیں ہے اس کو نہ کیا جائے چاہے اہل بدعت نے اس پر کیسے ہی خوش نما لیبل یا حسین غلاف چڑھا دیا ہو۔

اس سنتِ ترکیہ کے اصول کو مانے بغیر بدعت کا دروازہ بند نہیں ہوسکتا۔

(جاری ہے)

پلاسٹک سرجری
کی شرعی حیثیت

خالد حسین گورایہ [1]

عصرِ رواں میں دنیا نے جہاں دیگر شعبہ ہائے زندگی میں ترقی کی ہے وہیں طب جراحی میں بھی ایک نام پیدا کیا ہے اور مختلف قسم کی سرجریاں متعارف کرائی ہیں۔ اس قسم کی سرجری کو متعارف کرانے والے زیادہ تر اہل مغرب ہیں اور ان کے ہاں حلال وحرام عام انسان کی زندگی سے ہٹ کر چیز ہے۔ اور دین ان کا ذاتی وشخصی اور پرائیوٹ مسئلہ ہے اس لئے ان کے ہاں حلال وحرام کی تمیز نہیں ہے۔ مارکیٹ کی طلب کو دیکھتے ہوئے جس چیز کی مانگ مارکیٹ میں ہوتی اہے سے تیار کر کے وہ مارکیٹ میں لانچ کر دیتے ہیں۔ لیکن دین اسلام کسی بھی عمل کو انجام دینے سے پہلے اس کی حلت وحرمت کی پوزیشن معلوم کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اس لئے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

«لاْ يَبِعْ فِيْ سُوْقِنَا إِلاْ مَنْ قَدْ تَفَقَّهَ فِيْ الدِّيْنِ .[2] وإلا أَكَلَ الرِّبَا شَاءَ أم أَبَى».

''ہمارے بازار میں وہی آدمی سودا بیچے جو دینی معاملات (یعنی حلال وحرام) سے واقف ہو، اگر ایسا نہیں کرے گا تو وہ چاہتے نہ چاہتے بھی سودخوری میں مبتلا ہو جائے گا''۔

---

[1] ریسرچ اسکالر المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر کراچی

[2] رواہ الترمذی (487) وقال: حسن غریب. وحسنہ الألبانی فی صحیح الترمذی.

اورسیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

« مَنِ اتَّجَرَ قبلَ أَنْ يَتَفَقَّهَ ارْتَطَمَ فِيْ الرِّبَا ، ثُمَّ ارْتَطَمَ ، ثُمَّ ارْتَطَمَ .أي: وقع في الربا»[1]

''جس نے حلال وحرام کا علم سیکھے بغیر تجارتی پیشہ اختیار کیا وہ سود میں مبتلا ہوگا،سود میں مبتلا ہوگا، پھر مزید سود میں مبتلا ہوتا رہے گا۔''

تو جہاں اسلام میں بیع وشراء خرید وفروخت کے معاملے میں تفقہ اور حلال وحرام کی سمجھ ضروری ہے بعینہ یہی معاملہ علاج ودوا کا بھی ہے۔ اسلام کسی بھی حرام طریقے سے علاج کی اجازت نہیں دیتا اور نہ ہی حرام دوا سے علاج کی اسلام میں کوئی گنجائش ہے۔

چنانچہ فرمانِ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے:« إِنَّ اللَّهَ أَنْزَلَ الدَّاءَ وَالدَّوَاءَ وَجَعَلَ لِكُلِّ دَاءٍ دَوَاءً ، فَتَدَاوَوْا وَلاَ تَدَاوَوْا بِحَرَامٍ »[2]

''رسول کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے بیماری بھی اتاری ہے اور دوا بھی اور ہر بیماری کے لئے دوا مقرر کی ہے لہٰذا تم دوا سے بیماری کا علاج کرو،لیکن حرام چیز سے علاج نہ کرو۔''

سیدنا ابوھریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

« نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم عَنِ الدَّوَاءِ الْخَبِيثِ»[3]

''آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے خبیث (نجس، ناپاک،حرام) دوا کے استعمال سے منع فرمایا ہے۔''

ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شراب سے دوا بنانے کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:

« إِنَّهُ لَيْسَ بِدَوَاءٍ ، وَلَكِنَّهُ دَاءٌ »۔[4]

---

[1] مغني المحتاج (22/2).

[2] رواه ابو داود (3874) ، قال الشيخ الألباني رحمه الله تعالیٰ : " الحديث صحيح من حيث معناه – لشواهده "التعليقات الرضية على الروضة الندية " (154/3) .

[3] رواه الترمذي (2045) ، وصححه الألباني .

[4] رواہ مسلم:1948

''وہ دوا نہیں ہے بلکہ (خود ایک) بیماری ہے۔''

لہٰذا دین اسلام ہر مسلمان پر لازم قرار دیتا ہے کہ وہ علاج کیلئے جائز طریقہ اور حلال اجزاء سے بنی دوا استعمال کرے وگرنہ وہ حرام کا مرتکب ٹھہرے گا جس کا اسے اللہ کے حضور جواب دینا پڑے گا۔

پلاسٹک سرجری بھی ایک طریقہ علاج ہے جو عصرِ حاضر میں طب کے میدان میں ترقی کے باعث لوگوں کو نصیب ہوا ہے زیر نظر تحریر میں اس طریقہ علاج پر شرعی نقطہ نگاہ سے روشنی ڈالی جائے گی تاکہ اس طریقہ علاج کے حلال و حرام ذرائع اور طریقے میں تفریق ہو سکے اور مسلمان اس کے غیر شرعی طریقوں سے خود کو محفوظ رکھ سکیں۔ واللہ من وراء القصد

پلاسٹک سرجری کیا ہے؟

یہ سرجری کے شعبے کی وہ شاخ ہے جس کا تعلق چہرے یا جسم کے دیگر اعضاء کے بگاڑ کو درست کرنے سے ہے۔ یہ بگاڑ پیدائشی ہو سکتا ہے، کسی چوٹ یا زخم لگنے کی وجہ سے پیدا ہو سکتا ہے یا کینسر کے نتیجے میں جسم کے کسی عضو کے ضائع ہو جانے سے بھی سامنے آ سکتا ہے۔ پلاسٹک سرجری، دیگر سرجریز سے ذرا مختلف ہے، اس لئے کہ یہ جسم کے کسی خاص عضو تک محدود نہیں ہوتی بلکہ پورے جسم یا اس کے زیادہ سے زیادہ حصوں کا احاطہ کرتی ہے۔ جہاں تک اس کے نام کا تعلق ہے تو پلاسٹک یونانی زبان کے لفظ پلاسٹی کوز (plastikos) سے ماخوذ ہے جس کا مطلب کسی چیز کو ڈھالنے یا شکل دینے کے ہیں۔ اس سرجری میں چونکہ اعضاء کو دوبارہ شکل (reshape) دی جاتی ہے، اس لئے اسے پلاسٹک سرجری کہا جاتا ہے۔[1]

پلاسٹک سرجری کی اقسام:

اس کی دو بنیادی اقسام تعمیری (constructive surgery) اور زیبائشی سرجری (cosmetic surgery) ہیں۔ تعمیری سرجری میں، جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے، جسم کا جو حصہ خراب یا مکمل طور

---

[1] www.shifanews.com

پر ختم ہو چکا ہو اسے دوبارہ بنایا جاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ ایک ابنارمل چیز کو نارمل شکل میں ڈھالنا ہوتا ہے۔ اس کے برعکس زیبائشی سرجری میں ایک نارمل حصے کو مزید بہتر اور خوبصورت بنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔[1]

پلاسٹک سرجری کیوں کرائی جاتی ہے۔

پلاسٹک سرجری کرانے کی بنیادی طور پر تین وجوہات ہوتی ہیں۔

1. جسم کا کوئی حصہ جو پیدائشی طور پر خراب یا ناکارہ ہو تو بذریعہ سرجری اس کی اصلاح کرنا مقصود ہوتی ہے۔
2. یا جسم کا کوئی حصہ کسی وجہ سے جل جائے یا کسی چوٹ یا ٹریفک حادثے وغیرہ کے نتیجے میں متاثر ہو جائے تو پلاسٹک سرجری کے ذریعے اسے ٹھیک کیا جاتا ہے۔
3. پلاسٹک سرجری کی مدد سے اعضاء کو پہلے سے بھی زیادہ خوبصورت بنایا جاتا ہے۔

نیز اس وقت جن صورتوں میں اس قسم کی سرجری کی ضرورت پڑی ہے ان میں سے چند یہ ہیں:

”پیدائشی نقائص (Congenital abnormalities) جیسے ہونٹ کا کٹا ہونا (Cleft lip) تالو کا کٹا ہونا (cleft Palate)، بیرونی کان کا نہ ہونا۔ سر کی ہڈیوں کا باہم ملا ہونا (Craniosynostosis) ہاتھ کے پیدائشی نقائص (Congenital hand deformities)

❁ بچوں کی نشوونما کے نقائص (developmental abnormalities)

❁ چوٹ لگنے کی وجہ سے پہنچنے والے زخم، جیسے سر اور چہرے کی ہڈیوں کا ٹوٹ جانا (Craniofacial skeleton Fracture)

❁ جسم کا جھلس جانا (Burns)

❁ ٹیومر یا کینسر، جیسے پستان کا کینسر (Breast cancer) سر یا گردن کے کینسر (CranioCervical

---

[1] حوالۂ مذکورہ

cancer) جلد کا کینسر(skin cancer)

❁ گنجا پن(Baldness)

ب۔ تجمیلی عمل جراحی(Cosmetic or Aesthetic Surgery)

بسا اوقات پلاسٹک سرجری کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اعضاء کی ساخت میں مناسب تبدیلی کر کے انسان کی ظاہری ہیئت کو خوب صورت اور پر کشش بنایا جائے ۔اسی طرح عمر ڈھلنے کے ساتھ انسان کے اعضاء میں ڈھیلا پن اور کچھ بد ہیئتی آجاتی ہے۔ پلاسٹک سرجری کے ذریعے اس کو بھی دور کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

سرجری کی اس قسم کے ذریعے جو افعال انجام دیے جاتے ہیں ان میں سے چند یہ ہیں:

پیٹ کا ڈھیلا پن دور کرنا(Abdominoplasty)

ڈھلک جانے والے پلکوں کو نئی شکل دینا(Blepharoplasty)

چھاتی کو بڑا یا چھوٹا کرنا (Breast reduction ، Breast augmentation)

ناک کو نئی شکل دینا(Rhinoplasty)

کان کو نئی شکل دینا(otoplasty)

چہرے سے جھرّیاں اور بڑھاپے کی علامات دور کرنا(Rhytidectomy)

ٹھڈّی کو اوپر اٹھانا(chin Augmentation)

رخسار کو اوپر اٹھانا(Cheek Augmentation)

جلد کو خوب صورت بنانا(Laser skin resurfing)

مَردوں کا سینہ کشادہ کرنا(Male Pectoral implant)

چہرے سے مہاسے، چیچک کے داغ اور دیگر نشانات ختم کرنا(Chemical Peel)

ہونٹ کو نئی شکل دینا(Labia Plasty)

جسم سے چربی کم کرنا(Suction-Assisted Lipectomy)''[1]

پلاسٹک سرجری کی جملہ صورتوں کا شرعی حکم۔

جہاں تک تعلق ہے کاسمیٹک سرجری کے شرعی حکم کا تو جیسا کہ گذشتہ سطور میں وضاحت کی گئی کہ پلاسٹک سرجری کی بنیادی طور پر دو اقسام ہیں۔ اول: ضروری اور لازمی پلاسٹک سرجری۔ اس سے مراد وہ سرجری ہے جو کسی عیب کے ازالے کے باعث کی جاتی ہے جو بیماری اور ٹریفک حادثات یا جلنے کی وجہ سے جنم لیتے ہیں یا پھر پیدائشی کچھ عیوب ایسے ہوتے ہیں جن کا ازالہ ضروری ہوتا ہے۔ جیسے اضافی انگلی کا ازالہ کرنا یا دو جڑی ہوئی انگلیوں کو علیحدہ کرنا وغیرہ وغیرہ۔

اس طرح کی پلاسٹک سرجری شرعی طور پر جائز ہے اور کتاب وسنت کے متعدد دلائل اس کے جواز پر دلالت کرتے ہیں جس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

پہلی دلیل:

﴿عن عرفجة بن أسعد أنه أصيب أنفه يوم الكُلاب في الجاهلية (يوم وقعت فيه حرب في الجاهلية) فاتخذ أنفا من وَرِق (أي فضة) فأنتن عليه فأمره النبي ﷺ أن يتخذ أنفا من ذهب ﴾. [2]

ترجمہ: ''سیدنا عرفجہ بن سعد رضی اللہ عنہ کی ناک زمانہ جاہلیت میں کلاب کی لڑائی میں کاٹ ڈالی گئی تھی، انہوں نے چاندی کی ناک بنوائی لیکن اس میں بدبو پیدا ہوگئی چنانچہ رسول کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان کو سونے کی ناک بنوانے کا حکم دیا۔''

---

[1] پلاسٹک سرجری۔اسلام کا نقطۂ نظر محمد رضی الاسلام ندوی http//:www.raziulislamnadvi.com

[2] رواه الترمذي (1770) وأبو داود (4232) والنسائي (5161) . والحديث : حسَّنه الشيخ الألباني في " إرواء الغليل "(824)

دوسری دلیل:

شریعت اسلامیہ کا قاعدہ کلیہ ہے کہ ((الضرر یزال)) نقصان کا ازالہ کیا جائے گا۔لہذا طبی طور پر اس طرح کے عیوب انسان کو حسی اور معنوی دو طرح کے نقصان سے دوچار کرتے ہیں جن کا ازالہ کرنا لازمی ہوتا ہے تا کہ انسان کو روزمرہ کے کام سرانجام دینے میں کوئی رکاوٹ اور تکلیف پیش نہ آئے۔اور ایک اور بھی شرعی قاعدہ ہے کہ"(الحاجة تنزل منزلة الضرورة عامة كانت أو خاصة) حاجت کو ضرورت کی جگہ پر رکھا جائے گا چاہے وہ عام ہو یا خاص"۔

تو یہاں پر بھی ایک تلف شدہ عضو کی ترمیم واصلاح ایک ایسی حاجت ہے جسے ضرورت کے مقام پر رکھ کر اس عمل کی اجازت دی جاسکتی ہے کیونکہ ((الضرورات تبيح المحظورات)) ضرورتیں منع کردہ چیزوں کے جواز کی گنجائش پیدا کر دیتی ہیں۔

تیسری دلیل:

اس سرجری کو ہم عام سرجری پر بھی قیاس کرسکتے ہیں کہ جس طرح ایک عام سرجری ضرورت وحاجت کے لحاظ سے جائز ہے تو یہ بھی جائز ہے کیونکہ اس میں انسان کے اعضاء کو نقصان پہنچا ہوتا ہے جن کی اصلاح ضروری ہوتی ہے۔

پلاسٹک سرجری کی دوسری قسم چہرے یا جسم کی کسی اور جگہ کے ظاہری مظہر اور نقش ونگار کو خوبصورت بنانے کیلئے کی جانے والی پلاسٹک سرجری جیسے ناک کو چھوٹا کرنا، سوارنا، پستانوں کو چھوٹا یا بڑا کرنا، چہرے کی جھریاں ریموو(face tighteningSkin) کرنا، وغیرہ وغیرہ۔

اس قسم کی سرجری کی شریعت اسلامیہ میں کوئی گنجائش نہیں ۔ کیونکہ اس قسم کی سرجری کا ضرورت وحاجت سے دور دور کا بھی واسطہ نہیں بلکہ اس کا مقصد محض اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی صورت کو تبدیل کرنا اور لوگوں کی من مرضی سے اللہ کی بنائی گئی پیاری خلقت سے کھلواڑ کرنے کے مترادف ہے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿إِن يَدْعُونَ مِن دُونِهِ إِلَّا إِنَاثًا وَإِن يَدْعُونَ إِلَّا شَيْطَانًا مَّرِيدًا ﴿١١٧﴾ لَّعَنَهُ اللَّهُ وَقَالَ لَأَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا ﴿١١٨﴾ وَلَأُضِلَّنَّهُمْ وَلَأُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَآمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ آذَانَ الْأَنْعَامِ وَلَآمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللَّهِ وَمَن يَتَّخِذِ الشَّيْطَانَ وَلِيًّا مِّن دُونِ اللَّهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِينًا ﴿١١٩﴾ يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيهِمْ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطَانُ إِلَّا غُرُورًا﴾ (النساء:117-120)

ترجمہ: ''یہ تو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر صرف عورتوں کو پکارتے ہیں اور دراصل یہ صرف سرکش شیطان کو پوجتے ہیں۔ جسے اللہ نے لعنت کی ہے اس نے بیڑا اٹھایا ہے کہ تیرے بندوں میں سے میں مقرر شدہ حصہ لے کر رہوں گا۔اور انہیں راہ سے بہکاتا رہوں گا اور باطل امیدیں دلاتا رہوں گا اور انہیں سکھاؤں گا کہ جانوروں کے کان چیر دیں اور ان سے کہوں گا کہ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی صورت کو بگاڑ دیں، سنو! جو شخص اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو اپنا رفیق بنائے گا وہ صریح نقصان میں ڈوبے گا۔وہ ان سے زبانی وعدے کرتا رہے گا، اور سبز باغ دکھاتا رہے گا (مگر یاد رکھو!) شیطان کے جو وعدے ان سے ہیں وہ سراسر فریب کاریاں ہیں''۔

مذکورہ بالا آیت سے یہ بات واضح ہوئی کہ شیطان ہی وہ بنیادی محرک ہے جو انسان کو اللہ کی خلقت تبدیل کرنے کا حکم دیتا ہے۔

دوسری دلیل:

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: «لعن الله الواشمات والمستوشمات والمتنمصات والمتفلجات للحسن المغيرات خلق الله فجاءته امرأة فقالت إنه بلغني أنك لعنت كيت وكيت فقال ما لي لا ألعن من لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم ومن هو في كتاب الله فقالت لقد قرأت ما بين اللوحين فما وجدت فيه ما تقول قال لئن كنت قرأتيه لقد وجدتيه أما قرأت (ما آتاكم الرسول فخذوه وما نهاكم عنه فانتهوا)؟ قالت بلى قال

فإنه قد نهى عنه »[1]

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ گودنے والی اور گدوانے والی عورتیں منہ پر سے بال نچوانے والی عورتیں، افزائش حسن کے لئے دانتوں کو سوہان (ریتی) سے رتوانے والی عورتیں ان سب پر کہ جو اللہ کی بنائی ہوئی چیزوں میں تغیر کرتی ہیں اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے۔ (جب ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ روایت عورتوں تک پہنچی) تو ایک عورت سیدنا ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئی اور کہنے لگی کہ مجھ تک یہ بات پہنچی ہے کہ آپ اس طرح (کی عورتوں پر) لعنت بھیجتے ہیں؟ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میرے لئے کیا رکاوٹ ہے کہ میں اس پر لعنت نہ بھیجوں جس پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے، اور جس کو کتاب اللہ میں ملعون قرار دیا گیا ہے عورت نے کہا کہ میں نے بھی اس چیز کو پڑھا ہے جو دو تختیوں کے درمیان ہے (یعنی میں نے بھی پورا قرآن کریم پڑھا ہے) لیکن اس میں مجھے یہ بات جو آپ کہتے ہیں (صریح الفاظ میں) کہیں نہیں ملی ہے؟ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔" اگر تم قرآن کریم کو غور و فکر کے ساتھ اور سمجھ کر پڑھتیں تو اس میں تمہیں یقینا اس کا حکم ملتا، کیا تم نے یہ آیت نہیں پڑھی ہے ﴿وَمَا اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ (الحشر: 7) (یعنی رسول کریم ﷺ تمہیں جو کچھ دیں اس کو قبول کرو اور اس پر عمل کرو، اور جس چیز سے تمہیں منع کریں اس سے باز رہو) اس عورت نے کہا کہ ہاں یہ آیت تو میں نے پڑھی ہے۔ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ’’پس یہ وہ چیز ہے جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔‘‘

حدیث میں تحسین و تجمیل کیلئے چہرے و آنکھوں کے نقش و نگار بنانے اور خدوخال سنوارنے سے متعلق جو ممانعت وارد ہوئی ہے اس میں مختلف الفاظ وارد ہوئے ہیں جو مختلف امور کی حرمت پر دلالت کرتے ہیں۔

(النَّامِصَة) بھنویں بنانے والی

[1] رواه البخاري 199/3 ومسلم 339/3.

(والمتنمصه)وہ عورت جو بھنویں بنواتی ہے۔

(الواصلة)اپنے بال دوسری کے بالوں سے جوڑنے والی (یعنی پیوند لگانے والی)۔

(المستوصلة) پیوند لگوانے والی۔

(الواشمة و المستوشمة)وہ عورتیں جو گودوائیں یا خود گودیں۔

(القاشرة والمقشورة)چہرے کو مل دل کر صاف کرنی والی اور کروانے والی۔

(الواشرة والمستوشرة)دانتوں کو باریک کرنے والی اور کروانے والی عورتیں ۔

(الْمُتَفَلِّجات) افزائش حسن کے لئے دانتوں کو سوہان (ریتی) سے رتوانے والی عورتیں۔

یہ عمل اس لئے کرتی ہیں تا کہ کم عمر لگیں اور اپنی ادھیڑ عمری کو چھپا سکیں۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:«أَمَّا قَوْله :(الْمُتَفَلِّجات لِلْحُسْنِ) فمَعْنَاهُ يَفْعَلْنَ ذَلِكَ طَلَبًا لِلْحُسْنِ ، وَفِيهِ إِشَارَة إِلَى أَنَّ الْحَرَام هُوَ الْمَفْعُول لِطَلَبِ الْحُسْن ، أَمَّا لَوْ اِحْتَاجَتْ إِلَيْهِ لِعِلاجٍ أَوْ عَيْب فِي السِّنّ وَنَحْوه فَلا بَأْس ، وَاللَّه أَعْلَم اهـ ۔

حدیث میں جو لفظ وارد ہوئے ہیں (الْمُتَفَلِّجات لِلْحُسْنِ)افزائش حسن کے لئے دانتوں کو سوہان (ریتی) سے رتوانے والی عورتیں۔تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایسا افزائش حسن کیلئے کرتی ہیں، چنانچہ اس حدیث میں اشارہ ہے کہ اگر یہ کام حسن وخوبصورتی کیلئے کیا جائے تو حرام ہے۔البتہ اگر دانت کے علاج یا کسی نقص و کمی کو دور کرنے کی غرض سے کوئی عورت یہ ضرورت محسوس کرے تو کوئی حرج نہیں وہ ایسا کروا سکتی ہے۔واللہ اعلم

لہذا ان متعدد الفاظ سے وارد احادیث اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ مذکورہ تمام کام تغییر خلق کے ضمن میں آتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جس ہیئت و کیفیت میں پیدا فرمایا ہے انسان کو وہ پسند نہیں اور وہ خود کو دوسری ہیئت وصورت میں ڈھالنا چاہتا ہے جو اللہ کی خلق میں تبدیلی کے مترادف ہے۔ اس لئے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا« المتفلجات للحسن المغیرات خلق اللہ »[1] وہ حسن کی خاطر دانتوں کو رتواتی ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی صورت کو بدلنے والی ہیں۔

اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صورت کو بدلنے اور طلب حسن کو یکجا کر دیا جس سے واضح ہوا کہ سرجری اگر اس مقصد کو سامنے رکھتے ہوئے کرائی جائے تو حرام اور ناجائز ہے۔ لہذا جب ہم کاسمیٹک سرجری کا جائزہ لیتے ہیں تو اس میں یہ دونوں چیزیں بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں لہٰذا یہ چیز شرعاً بالکل جائز نہیں رہے گی۔

تیسری دلیل: اس قسم کی پلاسٹک سرجری کو گودوانے اور دانتوں کو باریک کرنے اور بھنویں بنوانے پر قیاس کر کے یہ کہا جا سکتا ہے ان امور کے منع کرنے کا سبب بھی حسن و جمال کا اضافہ ہے جس سے منع کیا گیا ہے لہٰذا یہ سرجری بھی اسی قبیل سے ہے۔ تو جب وہ عمل منع ہیں تو یہ بھی منع ہی ٹھہرے گا۔

چوتھی دلیل: پلاسٹک سرجری کی بہت سی صورتیں دھوکہ دہی، فریب اور تدلیس پر مبنی ہیں جو کہ شرعاً ناجائز عمل ہے۔ جس میں بوڑھے اور معمر شخص کے چہرے کو بناوٹی انداز سے نوجوانی میں ڈھالا جاتا ہے جس میں شوہروں اور بیویوں کے ساتھ دھوکہ دہی کا خدشہ ہے۔ اس بنا پر سد ذرائع کے طور پر بھی یہ عمل انجام دینا صحیح نہیں ہے۔

پانچویں دلیل: اس سرجری میں جہاں دیگر شرعی محظورات ہیں ان میں مزید یہ بھی ہے کہ متعدد کیسز میں میل سرجن فیمیل کی سرجری کرتے ہیں اور ان کی قابلِ ستر اشیاء بلا وجہ ان کے سامنے ظاہر ہوتی ہیں۔ اس پر مستزاد یہ ہے اس میں مریض کو بے ہوشی کی دوا دے کر بے ہوش کیا جاتا ہے جس کی بلا سبب شریعت میں اجازت نہیں، نیز اس سرجری کی وجہ سے ہو سکتا ہے کہ مریض کئی دن تک وضو یا طہارت مکمل طور پر حاصل نہ کر سکے کیونکہ متاثرہ جگہ کو ایک وقت کیلئے پانی سے بچا کر رکھنے کا ڈاکٹر کہتے ہیں۔ ان تمام معاملات کا بلا کسی وجہ بروئے کار آنا اور بلا ضرورت محض تحسین و تجمیل کیلئے ایسا کرنا شرعاً ناقابل قبول ہے۔

---

[1] رواہ أحمد 1/417.

چھٹی دلیل:

اس قسم کی سرجری کے متعدد منفی اثرات بھی ہیں جو انسان کی طبیعت اور نفسیاتی صحت پر مرتب ہوتے ہیں طبی انسائیکلوپیڈیا میں اسی جانب اشارہ کیا گیا ہے:

«ولكنها تكون اختيارية حين تجري لمجرد تغيير ملامح بالوجه لا يرضى عنها صاحبها. وفي هذه الحالة يجب إمعان التفكير قبل إجرائها واستشارةأخصائي ماهر يقدر مدى التحسن المنشود، فكثيراً ما تنتهي هذه العمليات إلى عقبى غير محمودة»، [1]

اس سرجری کا انحصار اس وقت کسی شخص کی مرضی پر ہوتا ہے جب وہ اپنے چہرے کے خدوخال ونقش سے مطمئن نہیں ہوتا۔ اس صورت میں اس سرجری پر عملدرآمد کرنے سے پہلے اچھی طرح سوچ وبچار کر لینا چاہئے اور کسی اسپیشلسٹ سے اچھی طرح اس سرجری کے کامیاب ہونے یا نہ ہونے کے حوالے سے مشاورت کر لینی چاہئے کیونکہ اس قسم کی سرجریاں اکثر وبیشتر پُرخطر نتائج کی حامل ہوتی ہیں۔

جبکہ پستانوں کو بڑا کرانے کی سرجری کے حوالے سے ماہرین یہی کہتے ہیں کہ میڈیکل سائنس کی تحقیق سے یہ بات واضح ہوچکی ہے کہ اس سرجری کے انتہائی خطرناک اور بہت زیادہ منفی اثرات ظاہر ہوتے ہیں جس کی بنیاد پر اکثر اطباء اس قسم کی سرجری نہ کرانے کا مشورہ دیتے ہیں''۔

فضیلۃ الشیخ صالح العثیمین رحمہ اللہ سے پلاسٹک سرجری اور کاسمیٹک سرجری کرنے اور اس کا علم حاصل کرنے سے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے جواباً ارشاد فرمایا:

پلاسٹک یا کاسمیٹک سرجری دو قسم کی ہے: کسی حادثے وغیرہ کے باعث پیدا ہونے والے عیب کو ختم کرنے کیلئے سرجری کرانا تو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے یہ جائز عمل ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کا جن کی ایک جنگ میں ناک کٹ گئی تھی تو آپ نے اسے سونے کی ناک لگانے کی اجازت دی تھی۔

---

[1] الموسوعة الطبية الحديثة، لمجموعة من الأطباء 3/455

دوسری قسم: خود کو خوبرو اور زیادہ خوبصورت بنانے کیلئے سرجری کرانا جس کا مقصد کسی عیب کا ازالہ نہیں بلکہ حسن و جمال میں اضافہ مقصود ہوتا ہے۔تو یہ عمل حرام ہے کسی طرح بھی جائز نہیں۔

کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علیہ وسلم نے بال اکھاڑنے والی اور اکھڑوانے والی دوسرے کے بالوں کو جوڑنے والی اور جڑوانے والی، گودنے والی اور گدوانے والی عورت پر لعنت کی ہے کیونکہ اس میں اضافی خوبصورتی کا حصول مقصود ہوتا ہے نہ کہ کسی عیب کا ازالہ۔

رہی بات اس طالب علم کی جو پلاسٹک سرجری یا کاسمیٹک سرجری کا علم اپنے متعلقہ نصاب کے ضمن میں حاصل کرتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں وہ اسے سیکھ سکتا ہے لیکن اس کا استعمال صرف جائز اور حلال مواقع میں ہی کرے نہ کہ ناجائز میں۔ بلکہ جو اس سے ناجائز اور حرام قسم کا علاج کرانے کیلئے آئے اسے بھی سمجھائے کہ وہ یہ کام نہ کرائے کیونکہ یہ حرام ہے اور بسا اوقات نصیحت جب کسی ڈاکٹر کی طرف سے آتی ہے تو وہ لوگوں کے دلوں پر زیادہ اثر انداز ہوتی ہے''۔ [1]

خلاصہ بحث

❁ جسمانی عیب دور کرنے کے لئے پلاسٹک سرجری جائز ہے اور عیب سے مراد جسم میں پائی جانے والی ایسی صورت ہے جو معروف ومعتاد اور عمومی تخلیقی کیفیت سے مختلف ہو، چاہے پیدائشی عیب ہو یا بعد میں پیدا ہوا ہو۔

❁ جسمانی تکلیف کے ازالہ کے لئے، اگر ڈاکٹر کا مشورہ ہو تو پلاسٹک سرجری جائز ہے۔

❁ درازئ عمر کی وجہ سے طبعی طور پر انسان کی ظاہری حیثیت میں جو تغیر آتا ہے، جیسے جھرّیوں کا پیدا ہو جانا وغیرہ، ان کو ختم کرنے کے لئے پلاسٹک سرجری کرانا جائز نہیں۔

❁ ناک اور دوسرے اعضاء خلقی طور پر کم خوبصورت اور غیر متناسب ہوں، مگر انسان کی عمومی معتاد

---

[1] فتاوی اسلامیۃ (4/412)

خلقت کے دائرہ سے باہر نہ ہوں تو زینت اور محض خوبصورتی کے لئے پلاسٹک سرجری جائز نہیں۔

❁ اپنی شناخت چھپانے کیلئے پلاسٹک سرجری جائز نہیں۔

زیر نظر مضمون کے حوالے سے مزید معلومات کے لیے درج ذیل کتب کا مطالعہ مفید رہے گا۔

1- أحكام الجراحة الطبية د/ محمد المختار.

2- الموسوعة الطبية الحديثة / لمجموعة من الأطباء. ص191.

3- جراحة التجميل د/ فايزة طرابية.

4- جراحة التجميل د/ القزويني.

5- الأحكام الطبية المتعلقة بالنساء د/محمد خالد منصور.

6- نوازل فقهية معاصرة / لخالد سيف الله الرحماني.

7- جراحة التجميل في الفقه الإسلامي د/ محمد عثمان شبير.

والله اعلم وصلى الله وسلم على نبينامحمد وعلى اله وصحبه اجمعين۔

کچھ ایسا کیجئے کہ اللہ مسکرا دے!

عبداللہ شمیم [1]

ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور کہا: میرا بھوک سے برا حال ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بیویوں کے پاس پیغام بھیج کر معلوم کروایا کہ کھانے کے لیے کچھ ہے، جواب آیا قسم ہے آپ کو برحق رسول بنا کر بھیجنے والے کی گھر میں پانی کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے دوسری بیوی سے معلوم کروا کر بھی یہی جواب ملا، ایک ایک کر کے سب بیویوں کا یہی جواب آیا کہ پانی کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں سے کہا کہ آج رات کون اس آدمی کی مہمان نوازی کریگا اللہ اس پر رحم فرمائے، ایک انصاری صحابی نے کہا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اس کام کے لیے تیار ہوں اور اس مہمان کو لے کر گھر چلے گئے، بیوی سے پوچھا کہ کھانے میں کچھ ہے؟ بیوی کا جواب آیا صرف ہمارے بچوں کے لیے ہی کھانا ہے۔ صحابی نے کہا کہ بچوں کا کسی چیز سے دل بہلا کر سلا دو اور جب مہمان کھانے کے لیے آئے تو روشنی کے لیے جلے ہوئے چراغ کو ٹھیک کرنے کے بہانے بجھا دینا۔ اور ہم اس کے سامنے اس طرح ظاہر کرینگے کہ ہم بھی کھانا کھا رہے ہیں۔ جب مہمان کھانے کے لیے آیا بیوی نے چراغ کو بجھا دیا، سب کھانے کے لیے بیٹھ گئے۔ مہمان

[1] ریسرچ اسکالر المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر کراچی

نے اندھیرے میں کھانا کھایا، میاں بیوی ایسے ظاہر کرتے رہے جیسے وہ بھی کھا رہے ہوں جبکہ وہ رات بھر خود بھوکے رہے صبح نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جب پہنچے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ رات تم دونوں میاں بیوی کے اس عمل کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ مسکرا دیا۔[1]

اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ﴿وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾ (سورہ حشر آیت 9) اس واقعہ کی عکاسی کرتا ہے

قارئین کرام! اس واقعہ میں مذکور کام ہے تو بہت سادہ اور آسان لیکن اصل اہمیت اسی کام کی ہوتی ہے جو اللہ کی خوشنودی کا سبب بنے۔ اس واقعہ کو پڑھ کر ہمیں کچھ باتیں سمجھنی چاہئیں۔

اللہ کے نزدیک عمل کی حیثیت اخلاص اور رضائے الٰہی کی امید سے ہوتی ہے۔ چاہے وہ عمل دنیا کی نظر میں معمولی ہی کیوں نہ ہو۔ یہ دونوں میاں بیوی اندھیرے میں ایک ایسا کام کرتے ہیں جس کا دنیا میں کسی کو بھی علم نہیں لیکن اس عمل پر اللہ نے مسکرا کر اپنی رضامندی ظاہر کی اور اس کی اطلاع اپنے نبی کے ذریعہ پوری امت کو دی۔

مہمان نوازی ہم بھی کرتے ہیں بلکہ مہمانوں کے لیے کھانے کا اہتمام اپنی مثال آپ ہوتا ہے لیکن ذرا سوچنا چاہیے کہ کیا ہماری اس دعوت کے بعد اللہ مسکرائے گا۔ کبھی اللہ کی رضا انسان چھوٹی چھوٹی چیزوں سے حاصل کر سکتا ہے۔

جیسا کہ ایک حدیث میں یہ بھی تذکرہ ملتا ہے کہ ایک آدمی نے چلتے چلتے راستہ میں پڑے ہوئے کانٹے یا ٹہنی کو پاؤں کی ٹھوکر سے سائڈ پر کر دیا ﴿فشكر الله له وغفر له﴾ اللہ نے اس بندہ کے اس عمل کی قدر کرتے ہوئے اسے معاف کر دیا۔[2]

---

[1] صحیح مسلم: باب إكرام الضيف وفضل إيثاره

[2] صحيح البخاری ،كتاب المظالم والغصب،باب من أخذ الغصن ومايؤذی الناس فی الطريق فرمی به: حديث 2472

اس واقعہ سے نبی ﷺ کی سادہ زندگی کا عجیب منظر سامنے آیا کہ آپ نے دنیا اور مال ومتاع کی فکر نہیں کی اسی لیے آپ کے گھر میں کئی کئی دن فاقے بھی ہوتے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے بھانجے عروہ سے فرماتی ہیں کہ کئی کئی مہینوں تک نبی ﷺ کے گھروں میں چولہا تک نہ جلتا تھا عروہ نے پوچھا پھر گزارا کیسے ہوتا تھا جواب دیا «الأسودان التمر والماء» پانی اور کھجور پر گزارا کرتے البتہ کبھی کبھی نبی ﷺ کے انصاری پڑوسی اپنی بکریوں کا دودھ بھیج دیا کرتے تو وہ ہم پی لیتے تھے۔[1]

اس واقعہ سے یہ بھی درس ملتا ہے کہ انسان کے اندر جب تک دوسروں کا احساس ہے وہ اللہ کے ہاں بھی کامیاب ہے۔ اور دوسروں کی ضرورتوں کو اپنی ضرورت سے زیادہ اہمیت دے کر پورا کرنے کی کوشش کرنے سے اللہ ہماری ضرورتوں کو خود پورا کرتا ہے۔ چنانچہ فرمان نبوی ﷺ ہے:

«من نفس عن مؤمن كربة من كرب الدنيا نفس الله عنه كربة من كرب يوم القيامة ومن يسر على معسر يسر الله عليه في الدنيا والآخرة»[2]

ترجمہ: ''جس شخص نے کسی مسلمان کی دنیاوی تکلیفوں میں سے کوئی تکلیف دور کی، اللہ تعالیٰ اس کی قیامت کی تکلیفوں میں سے کوئی تکلیف دور کرے گا اور جس شخص نے کسی تنگ دست کے لیے آسانی کی، اللہ تعالیٰ اس کے لیے دنیا اور آخرت میں آسانی کرے گا۔''

لہٰذا انسان دنیاوی معاملات میں دوسروں کی ضروریات کو فوقیت دے جبکہ عبادت کے معاملہ میں دوسروں سے آگے نکلنے کی کوشش کرے ﴿فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ﴾ (البقرۃ آیت 148)

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا نبی ﷺ کی اطاعت وفرمانبرداری کا جذبہ ہی ان کی کامیابی کا راز تھا جس کی اقتدا ہم پر بھی لازمی ہے۔ جیسا کہ اس واقعہ میں مذکور ہے۔

---

[1] صحيح البخاري، كتاب الرقاق، باب كيف كان عيش النبي ﷺ وأصحابه وتخليهم من الدنيا

[2] صحيح مسلم، كتاب الذكر والدعاء والتوبة والاستغفار، باب فضل الاجتماع على تلاوة القرآن وعلى الذكر، حديث: 2699

البتہ واقعہ میں بچوں کو بھوکا سلانے کے معاملے میں یہ بات یقینی ہے کہ بچوں کا پیٹ بھرا ہوا تھا اور جو کھانا ان کے لیے رکھا گیا تھا وہ بچوں کی اس عادت کو پورا کرنے کے لیے تھا جو بسا اوقات وہ طلب کرتے ہیں اس لیے کہ اگر بچوں کو بغیر کھانا کھلائے بھوکا سلایا جاتا تو یہ عمل قابل تعریف نہیں تھا کیونکہ یہ ہر باپ کی ذمہ داری میں سے ہے اور یہ ذمہ داری مہمان نوازی پر مقدم ہے۔ اللہ تعالیٰ اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ان دونوں میاں بیوی کی تعریف کرنا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اپنی ذمہ داری پوری کر چکے تھے۔

بیوی بچوں کے لیے کمانا اور ان کے کھانے کا بندوبست کرنا بھی اجر کا باعث ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے صدقہ سے تعبیر کیا ہے۔ اور جو شخص اس ذمہ داری کو ادا نہیں کرتا اسے گناہ گار شمار کیا گیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے۔ «كفى بالمرء إثما أن يضيع من يقوت»[1]

ترجمہ: ''انسان اپنے زیر کفالت لوگوں کی کفالت پوری نہ کرے یہی اس کے گناہ کے لیے کافی ہے۔''

لہٰذا زندگی میں کوشش کریں کسی لمحہ کیا گیا کوئی عمل اللہ کی مسکراہٹ کا سبب بن جائے اور وہ ہماری کامیابی کا باعث ہو جیسا کہ اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے۔

واللہ اعلم وصلی اللہ وسلم علی نبینا محمد وعلی الہ وصحبہ اجمعین۔

[1] سنن ابی داؤد، کتاب الزکوٰۃ، باب فی صلۃ الرحم (حدیث حسن)

بچّوں کی تربیت

کے رہنما اصول

شعیب اعظم مدنی [1]

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِیْكُمْ نَارًا وَّ قُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ عَلَیْهَا مَلٰٓىٕكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا یَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَاۤ اَمَرَهُمْ وَ یَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ﴾ (التحریم:6)

ترجمہ: ''اے ایمان والوں! تم بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو اس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں اس پر ایسے فرشتے مقرر ہیں جو بڑے تندخو، سخت مزاج ہیں۔ نافرمانی نہیں کرتے اللہ کی جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے۔''

اس آیت مبارکہ سے واضح ہوگیا کہ مسلمانوں کو دوزخ کا ایندھن بننے کے سبب سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے۔ خود بھی دوزخ کا ایندھن بننے سے بچیں اور اپنے اہل وعیال کو بھی بچائیں ان کی ایسی تربیت کریں کہ وہ جہنم کی آگ سے خود بھی بچیں اور دوسروں کو بھی بچاسکیں۔ اپنے بچوں کے اخلاق کی نگرانی کریں اور انہیں غفلت اور کوتاہی سے بچائیں۔ جن کاموں کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اس پر خود بھی عمل کریں اور اپنے اہل وعیال کو بھی اس کی تلقین کریں اور جن کاموں سے منع کیا ہے اس سے خود بھی بچیں اور اپنے اہل وعیال کو بھی

[1] نائب مدیر المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر کراچی

بچائیں۔ ہر مسلمان پر فرض ہے کہ اپنی اولاد کو دین کی تعلیم دیں اچھی باتیں سکھائیں اور بہترین ادب و ہنر اور اخلاق سکھائیں۔ تربیت اولاد کتنا عظیم فریضہ ہے کہ پیغمبروں اور بزرگوں نے اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگی ہیں۔ قرآن کریم میں سیدنا ابراہیم کی دعا بیان کی گئی ہے۔

﴿رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصّٰلِحِيْنَ﴾ (الصافات:100)

ترجمہ: ''اے میرے پروردگار! مجھے ایک صالح (بیٹا) عطا فرما۔''

لہٰذا تربیت کا ایک اہم ترین پہلو حفاظتی اقدامات ہیں، اس سلسلہ میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ والدین بچے کو اپنی ان خامیوں سے محفوظ رکھیں جن کی وجہ سے بچے کی تربیت میں خلل پیدا ہوتا ہے، تاہم ان باتوں کا خیال رکھنا بھی نہایت ضروری ہے جو شریعت نے انسانوں اور خصوصاً بچوں کی حفاظت کے سلسلہ میں بتائی ہیں۔ لہٰذا بچوں کی تربیت کے حوالے سے چند اہم ترین ہدایات درج ذیل سطور میں ملاحظہ فرمائیں واللہ من وراء القصد۔

❶ بچے سے زبان بگاڑ کر (زبان ٹیڑھی کر کے یا تو تلا کر) بات نہ کیجئے

ہمیشہ صاف زبان میں اور نرم لہجے میں بات کیجئے تاکہ بچہ بھی صاف زبان بولنے کے ساتھ ساتھ بہتر انداز اپنا سکے۔

❷ واٹس اپ اور فیس بک فرینڈز کو محدود کیجئے اور بچے پر توجہ دیجئے

میڈیا کے استعمال کے بڑھتے ہوئے رجحان نے والدین کو بچوں سے بہت دور کر دیا ہے۔ ''یورپ کی مشینیں'' محبت و آداب بھلانے پر تلی ہوئی ہیں۔ بچہ توجّہ چاہ رہا ہے لیکن والدین کو واٹس اپ اور فیس بک فیرینڈز سے فرصت نہیں مل پا رہی ہے۔ یہی بچہ بڑا ہو کر انہی مشینوں سے وابستہ ہوگا اور والدین سے اس کا کوئی تعلق نہیں بن سکے گا۔

❸ بچوں کو اپنے حال پر نہ چھوڑیں بلکہ انہیں سمجھیں

بچوں کو سمجھنا ان کی بہتر پرورش کے لیے بہت ضروری ہے۔ ہر بچہ خاص شخصیت کا حامل ہوتا ہے اور یہ

خصوصیت ساری زندگی اس کے ساتھ رہتی ہے۔آپ کا رویہ بچے کی شخصیت کے مطابق ہو نہ کہ آپ اسکی شخصیت کو بدلنے کی کوشش کریں۔ بچے کی نفسیات کو سمجھنا ایک صبر آزما کام ہے۔اس سلسلہ میں آپ کو اپنے بچے کے ساتھ دوستانہ تعلق قائم کر کے اسے سمجھنے میں مدد ملے گی۔

4 بچے پر شک نہ کیجئے

اگر آپ ہی اپنے بچے پر شک کریں گے تو بچے کو یہ احساس ہوگا کہ آپ اسے جھوٹا ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، وہ اعتماد کھو بیٹھے گا۔اس لئے بچے کی دیکھ بھال ضرور کیجئے لیکن شک نہ کریں۔

5 نظر انداز کرنے کی بجائے مشاہدہ کیجئے

سارے بچے ایک جیسی خوبیوں کے حامل نہیں ہوتے، یاد رکھئے ہر بچے کی الگ شخصیت ہوتی ہے۔اپنے بچے کی مصروفیات پر نظر رکھیں۔اس طرح آپ کو یہ جاننے میں مدد ملے گی کہ آپ کا بچہ کیسے کھیلتا ہے کیسے کھاتا ہے اور کس طرح دوسروں سے بات چیت کرتا ہے۔آپ کو اس کی بہت سی خوبیوں سے آگاہی ہوگی۔مشاہدہ کیجئے کہ آیا آپ کا بچہ کسی تبدیلی میں جلد رچ بس جاتا ہے یا وقت لیتا ہے۔

6 والدین کی حیثیت سے نہیں دوست کی حیثیت سے پیش آئیں

بچے کے ساتھ دوست کی طرح پیش آئیں اس طرح آپ کا بچہ آپ کے بہت قریب آجاتا ہے لیکن ساتھ ہی کچھ حدود کا خیال رکھیں۔اگر وہ کوئی غلطی کرتا ہے تو اسے غلط ثابت کرنے کے بجائے دوست کی حیثیت سے فیصلہ کیجئے۔کیوں کہ اگر آپ والدین کی حیثیت سے فیصلہ کریں گے تو وہ آپ سے کوئی بات شیئر نہیں کرے گا۔صرف یہی نہیں بلکہ اسے بھی موقعہ دیں کہ وہ آپ کی بات سمجھ سکے۔

7 مَردوں (بڑوں) والا اسلام اور آداب بچوں پر زبردستی لاگو نہ کریں

Don't practice "men's Islam

بعض اوقات والدین بچوں پر ان کاموں (شرعی احکامات یا اخلاقی معاملات) کے لئے سختی کرتے ہیں جو اسلام نے بڑوں کے لئے بتائے ہیں، حالانکہ بچہ تو ابھی ان باتوں کا مکلف (ذمہ دار) ہی نہیں ہے۔ اس کے نتیجے میں بچہ اسلام کو بوجھ سمجھ کر دور بھاگنے لگے گا۔ اسی طرح اگر چھوٹا بچہ نماز، قرآن یا کوئی بھی کتاب پڑھ رہا ہو تو اسے غلطی کرنے پر اس طرح نہ ٹوکیں جیسے اس نے کوئی بہت بڑا گناہ کر دیا بلکہ وہ اگر غلطی بھی کرتا ہے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے البتہ آپ اس پر غصہ کر کے ضرور گناہ گار ہو جائیں گے۔

8 بچے سے دور رہنے کے بجائے اس کے ساتھ روزانہ وقت گزاریں

اپنے بچے کے ساتھ زیادہ وقت گزاریں تاکہ آپ اس کو اور اس کے دوستوں کو جان سکیں، اور وہ بھی آپ سے اپنے مسائل شیئر کر سکے۔ آپ کتنے ہی مصروف ہوں اسے تھوڑا وقت ضرور دیں تاکہ اسے پتہ ہو کہ آپ اس کی مدد کے لیے موجود ہیں۔ وگرنہ بچہ احساس کمتری کا شکار ہو جائے گا نیز آپ سے اس کا صحیح تعلق نہیں بن سکے گا۔

9 ہفتہ وار میٹنگ مت بھولئے

بچوں کے ساتھ روزانہ وقت گزارنے کے ساتھ ساتھ ہر ہفتہ بعد ایک میٹنگ ضرور کیجئے جس میں بیوی بچوں کے ساتھ مشورہ کریں، اگر کوئی مسئلہ درپیش ہو تو جیسے ممکن ہو سکے اسے حل کیجئے، کچھ مسائل ایسے ہوتے ہیں جو درحقیقت کوئی حیثیت نہیں رکھتے ان کو حل کرنے کے بجائے آپ (والدین) بچوں کو اچھے انداز سے سمجھائیں کہ یہ فی الحال ہماری ایسی ضرورت نہیں ہے کہ جسے فوری حل کیا جائے بلکہ کچھ اور اہم اور ارجنٹ مسائل ہیں ان کا حل کرنا بہت ضروری اور نہایت مفید ہے۔ اس سے پچھلے مسائل حل ہوں گے اور آئندہ کی Future planning بھی بہترین ہو جائے گی۔

10 بچے کو (Over protection) نہ دیں بلکہ اسے ذمہ دار بنائیے

ہر وقت اپنی مرضی چلانے کے بجائے اپنے بچے کو آزادی دیجئے، اسے اس کی پسند کے کام کرنے دیں

لیکن اس کے قریب رہیں تا کہ اگر وہ کوئی غلطی کرے تو اس کی رہنمائی کرسکیں نیز نقصان دہ چیزوں اورشریعت کے خلاف کام کرنے سے ضرور روکیں لیکن یادرہے کہ بچے پر کوئی گناہ نہیں، اس لئے نرمی کے ساتھ اصلاح کیجئے۔

اگر وہ بغیر گرائے گلاس میں پانی نکالتا ہے، یا کھیلنے کے بعد اپنے کھلونے واپس ڈبے میں رکھتا ہے تو یہ اسکے ذمہ دار ہونے کی نشانی ہے اس کی تعریف کیجئے تا کہ اس کی حوصلہ افزائی ہو اور وہ زیادہ شوق سے اپنا کام خود کرسکے۔

11 بچے کی بات سننے میں لاپرواہی نہ کریں

ہر بچہ یہ چاہتا ہے کہ اس کی بات کا RESPONSE دیا جائے، اس لئے باقاعدہ توجہ سے سنیں تا کہ وہ ہمیشہ آپ سے اپنی تمام باتیں شیئر کرے، اگر آپ اس سے متفق نہیں ہیں اور وہ اصرار کرتا ہے تو اسے اپنے خیالات سے ضرور آگاہ کریں۔

12 اس پر الزام تراشی نہ کریں

اگر وہ کوئی بڑی غلطی کرتا ہے تو اسے بتائیں کہ یہ کام صحیح نہیں ہے لیکن یہ نہ کہیں کہ آپ نے جان بوجھ کر ایسا کیا ہے، یا آپ تو ہمیشہ غلطی کرتے ہیں۔ بچے کو سمجھاتے وقت آپ کا انداز پیار بھرا ہونا چاہئے، جس سے بچے کو یہ احساس ہو کہ غلطی کے باوجود بھی میرے والدین مجھ سے پیار کرتے ہیں۔

13 بچے کی ذاتی دلچسپیوں کو نظرانداز نہ کریں

بچے کی ذاتی پسند اور ناپسند سے بھی واقفیت ضروری ہے۔اپنے بچے سے اس کے پسندیدہ مضمون، پسندیدہ استاد، پسندیدہ دوست اور پسندیدہ کھیل کے بارے میں بات کیجئے۔اس کے ساتھ اس کا پسندیدہ کھیل کھیلئے یا کم از کم اسے کھیلنے کا موقعہ دیں۔اس طرح آپ کو اپنے بچے کو سمجھنے میں آسانی ہوگی اور تعلق مضبوط ہوگا۔

14 وعدہ خلافی سے پرہیز کیجئے

اپنے بچے سے کئے ہوئے وعدے کو پورا کر کے آپ اس کا دل جیت لیں گے۔ چاہے وہ ساحل سمندر پر جانے کا ہو یا کسی دوسری جگہ جانے کا یا کچھ دینے کا، اپنے وعدے پر قائم رہیے اس طرح آپ کے بچے میں بھی ایمانداری بڑھے گی۔

15 بچے کی تعریف بالکل نہ کرنا بے اعتمادی کا سبب ہے

بچہ نرم گیلی مٹی کی طرح ہوتا ہے اور اپنے ماں باپ کی آنکھوں میں خود کو دیکھتا ہے۔ ہم اس سے جس طرح پیش آئیں گے، اس کی سیرت ویسی ہی بن جائے گی۔ بچہ اگر کوئی اچھا کام کرے تو اس کی حوصلہ افزائی کے لیے اس کی تعریف سے دریغ نہیں کرنا چاہیے اور اس پر اُسے شاباش اور کوئی ایسا تحفہ وغیرہ دینا چاہیے جس سے بچہ خوش ہو جائے اور آئندہ بھی اچھے کام کا جذبہ اور شوق اس کے دل میں پیدا ہو جائے۔ اور یوں اس کی ذہنی صلاحیتوں کی بہتر انداز میں نشوونما ہو سکے گی۔ البتہ بچے کی تعریف خاص مناسبت سے کرنا زیادہ مفید ثابت ہوتا ہے۔ مثلاً: بچے سے ہمیشہ یوں نہ کہیں کہ آپ تو سب سے اچھے ہیں، حالانکہ اس میں کچھ خامیاں بھی موجود ہوں بلکہ آپ یوں کہیں: بیٹا آپ بڑوں سے بہت احترام سے بات کرتے ہیں، آپ کی رائٹنگ بہت اچھی ہے، آپ بہت اچھی قرآن کی تلاوت کرتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ بچے میں جو خوبیاں ہیں ان کو POINT OUT کر کے بچے کی تعریف کی جائے تاکہ بچے کو وقتاً فوقتاً اندازہ ہوتا رہے کہ جس کام پر اس کی تعریف نہیں ہو رہی شاید وہ کام صحیح نہیں ہے۔

16 بچے کو ہر وقت نہ ڈانٹیں

بچے کو ڈرانے دھمکانے اور ڈانٹنے سے گریز کریں چاہے وہ بار بار غلطی کیوں نہ کرے۔ بار بار کی ڈانٹ ڈپٹ سے بچہ اندر سے ٹوٹ جاتا ہے اور اس کا عادی ہو جاتا ہے پھر اس پر کوئی ڈانٹ اثر نہیں کرتی۔ حتی کہ ماں باپ کا آپس میں جھگڑا اور غصہ بھی بچوں کے لئے بہت نقصان دہ ثابت ہوتا ہے۔

17 بچوں کو پیار دینے میں فرق نہ کیجئے

اگرچہ دل میں کسی بچے سے زیادہ محبت ہونا انسان کی فطرت ہے لیکن ظاہری طور پر اولاد کے ساتھ برابری کا سلوک کرنا ہی شریعت کا بھی حکم ہے اور نہ ہی بیٹے کو بیٹی پر ترجیح دیں اور نہ ہی اولاد میں سے کسی کو زیادہ اور کسی کو کم پیار دیں۔

حدیث میں ہے: «اتقوا الله، واعدلوا بين أولادكم۔»[1]

ترجمہ: ”اپنی اولاد کے درمیان برابری کرو، اپنی اولاد کے درمیان برابری کرو، اپنی اولاد کے درمیان برابری کرو“۔

18 بچوں کا آپس میں تقابل (compare) نہ کریں

کچھ صلاحیتیں اللہ کی دین ہوتی ہیں، اس لئے کسی کی صلاحیت کو دیکھ کر دوسرے کو طعنہ نہیں دینا چاہئے کسی بھی بچے کی اپنے بچے کے سامنے اس طرح تعریفیں نہ کریں کہ اپنے بچے کی برائی یا کمزوری اس میں شامل ہو۔ کچھ والدین بچوں کو compare کرتے رہتے ہیں، جس کے نتیجے میں بچے کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے اور وہ احساس کمتری کا شکار ہو جاتا ہے۔

19 کسی دوسرے شخص سے بچے کی برائی نہ کریں

اگر کسی کے سامنے بچے کی برائی کریں گے تو اس کے دو نقصانات ہوں گے:

1. وہ شخص بچے کے ساتھ غلط رویہ اختیار کر سکتا ہے جس سے بچہ مزید بگڑ جائے گا۔
2. بچہ ان باتوں کو بہت زیادہ غور سے سنتا ہے جو آپ کسی دوسرے سے کہتے ہیں، اگرچہ وہ کھیل میں ہی کیوں نہ مگن ہو، جبکہ آپ یہ سمجھ رہے ہوں گے کہ وہ تو کھیل میں مگن ہے اور ہماری باتوں پر دھیان نہیں دے رہا۔ بچوں میں over listing کی بہت زیادہ صلاحیت ہوتی ہے۔

---

[1] رواه البخاری، کتاب الهبة وفضلها، باب الإشهاد فی الهبة

20 بچوں کو سب کے سامنے نہ سمجھائیں

دوسروں کے سامنے بچے کو سمجھانا ایسا ہے کہ آپ اپنے بچے کی برائی دوسروں سے کر رہے ہیں۔ کوشش کریں کہ بچے کو اکیلے میں سمجھائیں۔

21 بچے کی خامیوں کے بجائے خوبیوں کو تلاش کریں

بچے کی ان خوبیوں کو تلاش کریں جو اسے دوسروں سے ممتاز کرتی ہیں۔ اسے گھر میں ایسا ماحول فراہم کیجیے تاکہ وہ اسکول میں بھی اپنے اوپر اعتماد پیدا کر سکے۔

22 بچے کو مکمل آزادی نہ دیں

اگر بچوں کو بالکل ہی ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے اور انہیں کسی بھی غلطی سے نہ روکا جائے تو اس سے بچہ کے بگڑنے کے چانس زیادہ ہوتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں وہ اپنی ہر بات منوانے پر والدین کو مجبور کر دیتا ہے۔ اس لئے بچوں کو اپنی خوشی اور ناخوشی کا بھی احساس دلاتے رہیں۔

23 بچے کی صلاحیتوں کو ختم کرنے کے بجائے ان کا رخ صحیح جانب موڑ دیں

اگر آپ کا بچہ کسی نقصان دہ کام میں دلچسپی لیتا ہے تو بڑی ذہانت کے ساتھ اس کے اس رجحان کو کسی دوسری طرف مائل کر سکتے ہیں۔ نفسیات کی زبان میں اس طریقے کو تصعید کہا جاتا ہے لہٰذا اگر آپ بچے کے رجحان کی تصدیق کر لیتے ہیں تو سمجھ لیجئے آپ نے بچے کو بگڑنے سے بچا لیا۔ مثال کے طور پر اگر آپ کا بچہ کوئلے یا پنسل وغیرہ سے دیواروں اور فرنیچر کو خراب کرتا ہے تو اسے ایک بڑا کاغذ اور رنگین پنسل دے دیجئے اور جب وہ کاغذ پر اُلٹی سیدھی لکیریں کھینچے تو اس کی حوصلہ افزائی اور تعریف کیجئے۔ آپ کے بچے کی توجہ دیواریں خراب کرنے کی بجائے ڈرائنگ کی طرف مائل ہو جائے گی اور ہو سکتا ہے آپ کا یہی بچہ بڑا ہو کر تحریر و تصنیف میں ماہر بن جائے۔ اس میں آپ کا نقصان بھی نہیں ہے اور بچہ بھی لکھائی کی صلاحیتوں کو بحال رکھ سکے گا۔

24 بچے کو مایوسی سے بچایئے

بچے کی ذہانت اور طاقت سے زیادہ اس پر کام کا بوجھ نہ ڈالیے۔ ایسا نہ ہو کہ کام کے بوجھ تلے دب کر بچہ ناکام ہو اور مایوس ہو جائے۔

25 بچوں کو کھیل سے نہ روکیں اگرچہ مٹی میں ہی کیوں نہ کھیلتے ہوں

چار پانچ سال کی عمر تک کے بچے کسی بھی پابندی کو ہرگز برداشت نہیں کرتے۔ اس لئے انہیں ہر کام آزادانہ کرنے دیجئے۔ بعض دفعہ بچہ زمین پر لیٹ کر قلابازیاں لگا کر کھیلنا پسند کرے گا یا مٹی سے ہاتھ منہ گندے کرلے گا۔ مٹی میں کھیلنا بچے کی فطرت ہے اور یہ نقصان دہ نہیں ہے، اس لئے اسے منع نہ کیجئے اس کا اس طرح آزادی سے کھیلنا اس کی ذہنی اور جسمانی صحت پر بہت اچھا اثر ڈالے گا۔ اگر آپ کے دل میں کوئی ایسا خیال ہے تو بچے کو عام طور پر سادہ، سستا اور ڈھیلا ڈھالا لباس پہنائیں لیکن اس کے کھیل اور آزادی میں خلل نہ ڈالیے۔ البتہ بجلی، آگ اور نقصان دہ چیزوں سے ضرور آگاہ کریں تاکہ وہ ان چیزوں سے دور رہے۔

26 بچوں کی مختلف کمزوریوں کا علاج خود کیجئے

تربیت میں تدریجی انداز اختیار کرنا چاہیے، چنانچہ غلطی پر تنبیہ کی ترتیب یوں ہونی چاہیے:
❶ سمجھانا، ❷ ڈانٹ ڈپٹ کرنا، ❸ مار کے علاوہ کوئی سزا دینا، ❹ مارنا، ❺ قطع تعلق کرنا۔ یعنی غلطی ہو جانے پر بچوں کی تربیت حکمت کے ساتھ کی جائے، اگر پہلی مرتبہ غلطی ہو تو اولاً اُسے اشاروں اور کنایوں سے سمجھایا جائے، صراحۃً برائی کا ذکر کرنا ضروری نہیں۔ اگر بچہ بار بار ایک ہی غلطی کرتا ہے تو اس کے دل میں یہ بات بٹھائیں کہ اگر دوبارہ ایسا کیا تو اس کے ساتھ سختی برتی جائے گی، اس وقت بھی ڈانٹ ڈپٹ کی ضرورت نہیں ہے، نصیحت اور پیار سے اُسے غلطی کا احساس دلایا جائے۔

چھوٹی عمر میں بچے کہانیاں بہت شوق سے سنتے ہیں آپ کہانیوں ہی کہانیوں میں بچے کو بہت کچھ سکھا سکتے ہیں۔ مثلاً آپ دیکھتے ہیں کہ آپ کا بچہ فطری طور پر کمزور دل کا مالک ہے تو اسے کسی ایسے بچے کی کہانی

سنائیے جس میں کسی بچے کی دلیری اور جرأت کا ذکر ہو۔ صحابہ کرام اور سلف صالحین کے قصے سنائیں جن میں اللہ پر توکل، خود اعتمادی، بہادری، ایمانیات و اخلاقیات، بڑوں کا احترام اور چھوٹوں پر شفقت جیسی اہم صفات شامل ہوتی ہیں۔

27 بچوں کو زیادہ لیکچر نہ دیں

بچوں کو کبھی کبھار ضرور سمجھانا چاہئے لیکن ہر وقت سمجھانا فائدہ مند نہیں ہوتا بلکہ عملی طور پر وہ کام کر لیجئے جو آپ چاہتے ہیں۔ مثلاً: بچوں کو پاکیزہ رہنے کا مسلسل لیکچر دینے کے بجائے خود اپنے بچوں کی صفائی کا خیال رکھیں۔ یوں نہ کہیں کہ میں نے پچاس مرتبہ کہا ہے کہ ہاتھ دھولیں لیکن آپ تو ہاتھ دھو ہی نہیں رہے، اس سے بہتر ہے کہ ماں اُٹھ کر بچے کو پیار سے لے جا کر ہاتھ دُھلا دے۔ اگر بچہ ایسا کام کر رہا ہے جس سے دینی یا دنیاوی نقصان ہونے کا اندیشہ ہو تو اُسے سو مرتبہ منع کرنے سے بہتر ہے کہ اس کی توجہ کسی اور کام میں لگا دیں، کیونکہ بچے کو کچھ تو کرنا ہے نا۔ بچوں کو ایسی چیزیں نہ کھلائیں جن سے ان کے دانت یا صحت پر برا اثر پڑتا ہو، ان کے دانتوں کی صفائی کا خیال رکھنا والدین کی ذمہ داری ہے۔

28 جب بچہ سمجھدار ہو جائے تو نظر انداز کرنے کے بجائے گھریلو معاملات میں اس کی رائے لیں

اگر آپ گھر کے معاملات میں بچے سے رائے لیتے ہیں تو آپ کے بچے میں اعتماد پیدا ہوگا اور قوت فیصلہ میں بھی اضافہ ہوگا۔ نیز بچے کی رائے میں غلطیاں نہ نکالیں بلکہ خوبیاں تلاش کریں، اور اسے صحیح بات پر غیر محسوس طریقے سے قائل کیجئے۔

29 اچھے لوگوں اور اچھے دوستوں کی صحبت سے بچوں کو نہ روکیں

بعض والدین یہ سمجھتے ہیں کہ بچے کو ہر ایک سے دور رکھا جائے، یہ نظریہ غلط ہے کیونکہ انسانی فطرت میں یہ بات شامل ہے کہ وہ اپنی باتیں شیئر کرنے اور کھیل کود کے لئے اپنے پارٹنر ضرور بناتا ہے نیز یہ بھی یاد رہے کہ بچہ تو خاص طور پر اپنے دوست کی بات ضرور مانتا ہے، لہٰذا اگر اسے ابتداء میں اچھے دوست نہ ملے تو وہ

ایک نہ ایک دن کسی بری صحبت کا شکار ہوسکتا ہے۔ البتہ اگر گھر میں کئی بھائی بہنیں ہیں تو شاید گھر سے باہر دوست بنانے کی ضرورت نہ رہے۔ کوشش کریں کہ آپ کے بچے کے جو اچھے کزن ہوں یا دیگر نیک لوگوں کے بچے جو ان کے ہم عمر ہوں ان کے ساتھ اس کی دوستی ہو۔ کبھی خود اُن کے گھر بچوں کو لے جائیں اور کبھی انہیں بلالیا کریں، کھانے پینے کے خرچہ سے بچنے کے لئے اچھے لوگوں سے میل جول نہ چھوڑیں کیونکہ بچے کی صحیح تربیت اس سے کہیں زیادہ قیمتی ہے نیز ہر ملاقات میں کھانے پینے کا تکلف بھی ضروری نہیں ہے۔ ملاقات کے لئے گھروں کے علاوہ مساجد یا صاف ستھرے ماحول والے پارک بھی منتخب کئے جاسکتے ہیں تا کہ بچوں کی outing بھی ہوجائے نیز بات چیت کے ساتھ ساتھ عبادات اور کھیل کی activities بھی ہوجائیں۔

(30) اپنی بددعا سے اپنے بچوں کو محفوظ رکھیں

حدیث میں ہے کہ والدین کی بددعا بچوں کے حق میں بہت جلد قبول ہوتی ہے۔ اس لئے ہمیں کبھی بھی بچوں کے لئے بددعا نہیں کرنی چاہئے۔

(31) بچے کی شکایات پر فوری ردعمل نہ کیجئے

اکثر گھروں میں بچوں کی چھوٹی چھوٹی شکایتوں پر ناراضگی اور اختلافات ہوجاتے ہیں، جبکہ بچے کی بہت سی باتیں بچکانہ ہوتی ہیں جن پر کوئی ردعمل کرنا احمقانہ طرزعمل ہوتا ہے۔ اس لئے بچے کی ہر بات کو serious نہ لیں، بلکہ پیار سے اپنے ہی بچے کو سمجھانے کی کوشش کریں کہ یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے۔

(32) بچے کو اس کام سے رکنے کی نصیحت نہ کریں جو وہ نہ کرتا ہے اور نہ ہی جانتا ہے

آپ بچے سے 50 مرتبہ کہیں کہ بیٹا جھوٹ نہیں بولنا چاہئے تو بچہ سوچے گا کہ میں تو جھوٹ بولتا ہی نہیں ہوں، جھوٹ ہوتی کیا چیز ہے، اچھا تو اسے جھوٹ کہتے ہیں جو میری امی نے خود ابھی پچاس مرتبہ بولا ہے۔

(33) اپنے بڑوں کو عزت دیجئے ان کی بے ادبی نہ کیجئے

بچہ وہی کچھ کرتا ہے جو وہ اپنے بڑوں کو دیکھتا ہے، اس لئے اگر ہم بڑوں کی عزت کریں گے تو بچے بھی

ہماری اور ہمارے بڑوں کی عزت کریں گے۔ اگر ہم بڑوں کی عزت نہیں کریں گے تو بچے کو کتنا ہی سمجھا لیں وہ ہرگز کسی بڑے کی عزت نہیں کرے گا۔ لہٰذا ہم کسی کو جانتے ہوں یا نہ جانتے ہوں ہر ایک کا احترام ہم پر ضروری ہے اور یہی اسلامی آداب میں سے ہے۔ حدیث میں ہے:

«ليس منا من لم يرحم صغيرنا ولم يوقر كبيرنا»[1]

ترجمہ: ''وہ ہم میں سے نہیں جس نے چھوٹوں پر شفقت اور بڑوں کی عزت (احترام) نہ کی۔''

34 ہر چھوٹے پر شفقت کرنا معمولی نہ سمجھیے

صرف اپنے بچوں پر ہی نہیں بلکہ دوسرے بچوں پر بھی شفقت کرنی چاہیے اور بعض اوقات دوسروں کے بچوں کا زیادہ خیال رکھنا چاہیے۔ مثلاً: اگر میں اپنے رشتہ داروں اور پڑوسیوں کے بچوں کا خیال رکھوں گا تو میرا بچہ بھی ان کا خیال کرے گا اور ان سے محبت کرے گا، اسی طرح میں اپنے بچے کے ساتھ جتنی زیادہ شفقت سے پیش آؤں گا وہ اتنا ہی زیادہ میرے قریب ہوگا۔

اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ بچے کو آزاد چھوڑ دیا جائے بلکہ جہاں اصولی بات ہو وہاں شفقت کا تقاضہ ہی یہی ہے کہ بچے کو سمجھایا جائے۔

علما کرام فرماتے ہیں کہ بچے کو غلط کام پر ٹوکنا اور کبھی کبھی اس پر ناراض ہونا اور غصہ کا اظہار کرنا بھی رحم دلی اور شفقت کی علامت ہے کیونکہ اگر ایسا نہ کیا جائے تو بچہ کے بگڑنے کے بہت امکانات ہوتے ہیں۔

اللہ سے دعا ہے کہ ہمیں اپنے بچوں کی صحیح طریقے سے تربیت کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ان غلطیوں سے محفوظ فرمائے جن کی وجہ سے بچوں کی صحیح تربیت میں خلل واقع ہوتا ہے۔

---

[1] سنن ترمذی: 1919